بسم الله الرحمن الرحيم

عبد العزیز خالد

زرِ داغِ دل

مکتبۂ شعور

مانڈوی والا بلڈنگ۔ پریڈی سٹریٹ۔ صدر۔ کراچی

تعداد اشاعت۔ گیارہ سو

بار اول

طابع و ناشر۔ عنایت اللہ آذر

مطبوعہ۔ ریپلیکا پرنٹنگ پروسس

صدر کراچی

سنہ انیس سو چھپن عیسوی

قیمت دس روپے

تمثیلی نظمیں

عبدالعزیز خالد

زرِ داغ

آرائش - آذر زوبی

ترتیب

صفحہ	نو	تصویر مصنف
صفحہ	دس	انتساب
صفحہ	گیارہ	صریر خامہ
صفحہ	تیرہ	سوز ناتمام
صفحہ	ستاون	جہان نو
صفحہ	ترانوے	آتش گل
صفحہ	ایک سو نو	پردۂ حائل
صفحہ	ایک سو اُنتالیس	رقص شرر
صفحہ	ایک سو تریسٹھ	فریب ہستی
صفحہ	دو سو تین	بازار حیات
صفحہ	دو سو ستاون	طوفان نوح
صفحہ	دو سو پچانوے	خدنگ جستہ
صفحہ	تین سو اکیس	مشت غبار
صفحہ	چار سو ستائیس	عرض تمنا

ذوالفقار

کے نام

صریرِ خامہ

صریر خامہ ہے زیر و بم ترانۂ شوق
نوائے زیرلبی ہے عیار صحت ذوق

ظہور زر نہیں فنکار کی ہنرمندی
سفارشات سے سوز نہاں نہیں ملتا

کنار بحر پہ غواص رو بہ قبلہ ہے
کہ بے دعا گہر شائگاں نہیں ملتا

شکست شیشۂ دل کی صدا نہیں ہوتی
فساد زخم جگر کا نشاں نہیں ملتا

کوئی مقام بھی ناممکن الحصول نہیں
کوئی مقام بھی بے امتحاں نہیں ملتا

علامت جگر سوختہ ہے خودداری
دیارِ عشق میں صاحب زباں نہیں ملتا

زوال شوق کا پیمانہ ہے شکیبائی
کمال بے سعیٔ جاوداں نہیں ملتا

ہر آشنا کو ہے قحط الرجال کا شکوہ
غزامیات کے دلدادہ ہیں سخن پیشہ

ہنوز محرمیٔ حسن کو ترستے ہیں
خود اپنے آپ سے محجوب ہے بت سادہ

فضائے صحرا میں سارباں حدی خواں ہے
فراز کوہ پہ مصروف کار ہے تیشہ

کچھ اس ادا سے ہے پیوستگیٔ معنی و لفظ   کہ جیسے خمر و عنب، آبگینہ و بادہ

انیس احباب حرف سنج و نکتہ نواز   سفینۂ غزل است و صراحیٔ مئے ناب
وہ ابن رشد ہو ون گاگ ہو معری ہو   نبیذ ہوش ہے اس کو پیالۂ زہراب
یہی ہے مرغوب خاطر سپہر کبود   حباب تاج سر موج ہو صدف تہ آب

ہے یہ متاع ادب کی کساد بازاری   کہ مشتریٔ زر داغ دل نہیں ملتا
نہیں زمانہ میں آج اعتبار در یتیم   کوئی ٹھکانہ اسے مستقل نہیں ملتا
شہود پیکر محسوس کا نہیں محتاج   حدود اربعۂ آب و گل نہیں ملتا

ہے گرچہ عرض ہنر پیش یار بے ادبی   نوائے راز میں ہے سوز و ساز نیم شبی
ہوا کی صورت ارزاں ہے جوہر تخلیق   غبار خاطر شہ ہیں نظیری و عرفی
سب اہلکار ہیں موقع شناس ابن الوقت   گراں ہے طبع زمانہ پہ ادعائے خودی
ہر ایک دور میں مقدور بھر الجھتا ہے   چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی
خبر کرو خرد افروز نکتہ چینوں کو   معاصران معزز کو دو یہ خوشخبری

کہ بزم شعر میں اک حسن کار خود آگاہ   خیال جس کا ہے گلدستہ بند نقش و نگار
پرو کے نظم معریٰ میں پیش کرتا ہے   مشاہدات شگرف و بدیع و نادرہ کار
نشاط آگہی، تاب و تب دل بیدار   سرود رفتہ، غم زندگی، نشید بہار!

سوز نہاں
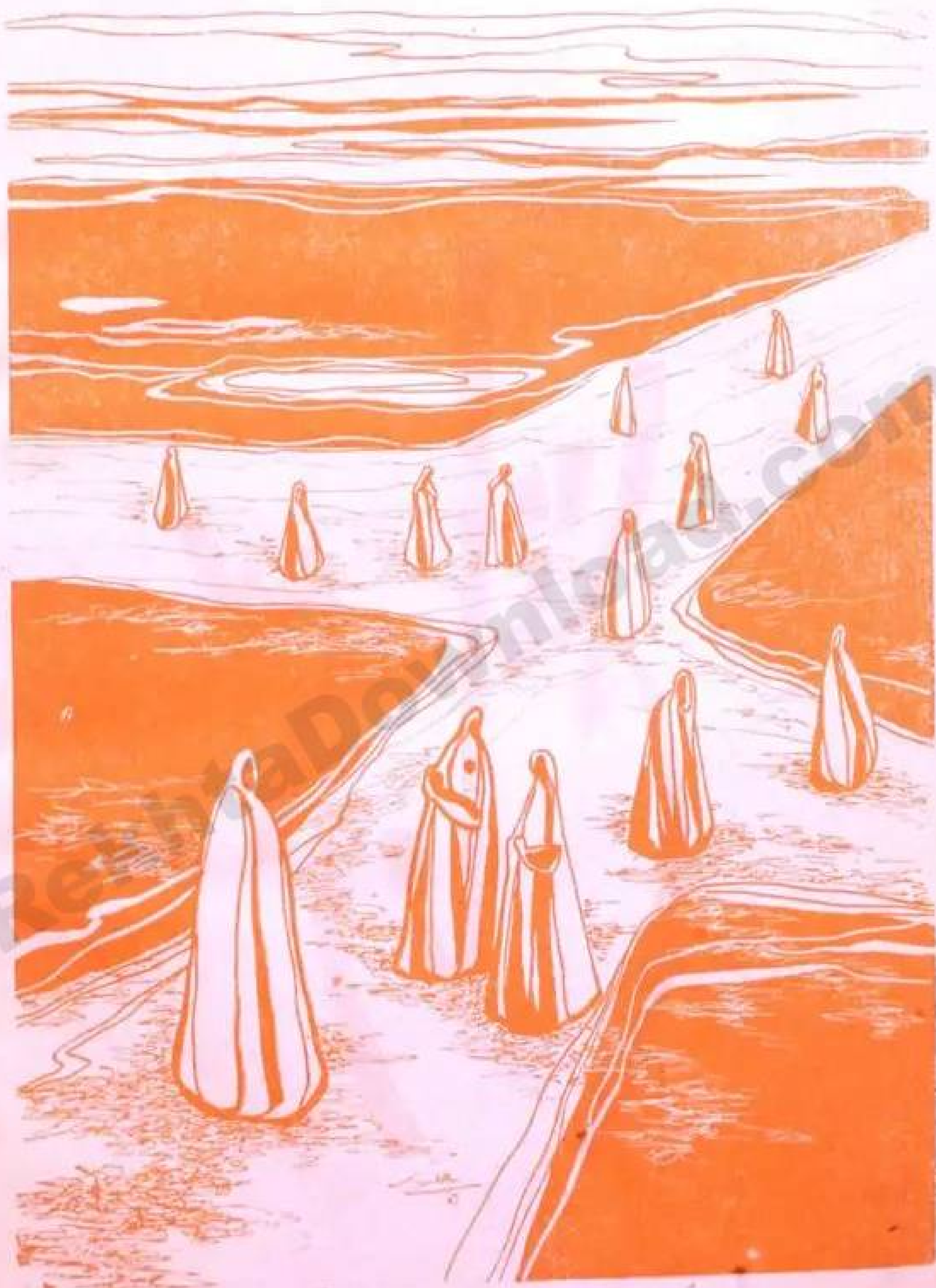
زر داغ دل

سوزِ ناتمام

آدم

حوا

ادا

ظلہ

ہابیل

قابیل

ابلیس

آدم

ہے بے نیاز علائق وہ ذات بے ہمتا
صفات و ذات میں یکسر منزہ و یکتا
تمام حمد و ستائش اسی کو ہے زیبا
وہ جس نے کن سے کیا کائنات کو پیدا
وہ جس نے دے کے مذاق تفحص اشیا
کف غبار کو سونپی خلافت دنیا
وعلم الاسما لا الہ الا اللہ

حوا

اسی کے فیض سے فرش زمیں ہے خلد آسا
نشاط ہستی سے ہر نفس ہے غالیہ سا
اسی کا نام ہے ورد زبان موج ہوا
اسی کا تذکرہ کرتے ہیں اہل نطق و نوا
پیمبران فطرت طیور نغمہ سرا
ہمیشہ پڑھتے ہیں سبحان ربی الا علیٰ
اسی کا حق ہے ثنا لا الہ الا اللہ

ھابیل

ہر ایک ذرۂ صحرا، ہر ایک برگ چمن
ادا شناس رسالت کو ہے صحیفۂ فن
فضائے باغ عدن ہو کہ دار رنج و محن
اسی کے ذکر سے آباد ہے دیار سخن
ضیائے شمس و قمر ہو کہ دیدۂ روشن
اسی کا نور ہے ہر ایک شے سے عکس فگن
بدیع ارض وسما لا الہ الا اللہ

ادا

خرام آہو کا، زمزمہ عنادل کا
خروش آب جو کا، سکوت ساحل کا
طلسم رنگ و بو کا، فسوں شمائل کا
صبا کی سر مستی، اضطراب بادل کا
نمود تاروں کی، جلوہ ماہ کامل کا
یہ اہتمام مدارات دیدہ و دل کا
ہے شان پاک خدا لا الہ الا اللہ

ظلہ

مقام حیرت ہے کارخانۂ قدرت
کسی طرح نہیں ممکن احاطۂ رحمت
بنا کے محرم اسرار حرمت و حلت

دیا ہے اذن تمتع بشر کو بے منت
وہ خوش نصیب میسر ہو جس کو یہ نعمت
ہمیشہ کیوں نہ ہو مشغول تقویٰ و طاعت
کہ ہے یہ عین وفا لا الہ الا اللہ

(قابیل چیں بہ جبیں ساکت و صامت ہے)

آدم تمہاری خاموشی کا کوئی سبب قابیل
حضور باری میں یہ سکوت بیجا کیوں ؟

قابیل مرے مقدر میں غم ہے ابتہاج نہیں
مجھے نیاز فروشی کی احتیاج نہیں
مری خموشی ہے احتجاج سر تا پا
مجھے خودی نے عطا کی ہے شان استغنا

آدم ہے خوب ذوق خودی بھی، مگر یہ مت بھولو
کہ بندگی سے بلندی نصیب ہوتی ہے
دل انکسار سے ہے کارگاہ سیششہ گراں
ہے ابتہال و تضرع وظیفۂ انساں

صفحہ انیس

زرداغ دل

اسی میں غایت تخلیق انس وجاں ہے نہاں
یہی ہے صبح ازل سے مشیت یزداں
بشر تواضع سے باکمال ہوتا ہے
کہ دانہ خاک میں مل کر نہال ہوتا ہے
کیا ہے تو نے متاع غرور کا سودا
مز خرفات کو سمجھا خلاصہ خوبی کا
جو سر کشیدہ ہو پائمال ہوتا ہے
کہ ما سوا کو ہمیشہ زوال ہوتا ہے

قابیل
مگر کوئی شے شایان آرزو بھی تو ہو
کہ جس کی خاطر درگاہ کبریائی میں
زبان حمدو ثنا کا خراج پیش کرے

آدم
بذات خود بشریت ہے نعمت عظمیٰ
یہ عرصۂ سحروشام میں مجال نفس
یہ بیکرانہ و مستانہ زندگی کے فیوض
کہ جن سے عہدالست استوار ہوتا ہے
تری نظر میں سزاوار اعتبار نہیں ؟
ہوا نہ منکر احسان کبھی مذاق سلیم

کہ اہل ہوش کو سمع و بصر ہیں عین یقیں

قابیل
کوئی ٹھکانہ ہے زندگی کی نعمت کا!
ہمیشہ رو بہ تنزل، ہمیشہ پا بہ رکاب
برنگ غول بیاباں، بسان تار سراب
ہمیشہ مقبل و مدبر، ہمیشہ خانہ خراب
نوید کلفت ہے زندگی کا پروانہ
مصیبتوں کا میثاق، غم کا بیعانہ
اسی عطا کا واجب ہے مجھ پہ شکرانہ؟
مری جبیں نہیں جھکتی نیازمندانہ
کہ ہے یہ پیروئی شیوۂ گدایانہ
اجل کی زد میں ہے زندگی کی ہر ساعت
اک اضطراب مسلسل غیاب ہو کہ حضور
زمہد تا بہ لحد اک گناہ بے لذت
کوئی بتاؤ اس انعام کی مسرت کیا
کہ طبع جس نے نا مستقیم پائی ہو
قضائے مبرم سے جس کی آشنائی ہو
یہ زندگی ہے یا سلسلہ سیاست کا
مجھے تو منتشر اجزائے نظم و نسق جہاں

پیام دیتے ہیں آزادی و بغاوت کا

آدم نعوذ باللہ من شرور انفسنا

حوا نعوذ باللہ من شرور انفسنا
نہ بولو میرے بیٹے یہ کفر کے کلمات
یوں اپنے جوش جوانی کو رائگاں نہ کرو
یہ ہرزہ گوئی بے فائدہ ہے لخت جگر
اگرچہ لاینحل ہیں رموز کون و مکاں
صمیم قلب سے کوشش کرو سمجھنے کی
خدا تعالیٰ توفیق دے ہدایت کی
عطا کرے تم کو روشنی بصیرت کی

آدم مرے عزیزو مناجات ہوچکی اٹھو
کہ اب مہیا سامان خورد و نوش کریں
یہ زندگانی مضمون ہے مشقت کا
عمل ہی سے وابستہ ہے کسب واکل حلال
رضائے حق کے لئے عارف طریقت کو
نظارۂ گل و گلزار میں ضروری ہے

خیال کی پرسش، آنکھ کی نگہبانی

کہ زندگانی ہے تفسیر درس نادانی

طویل کوتہ ہے، مختصر ہے طولانی

جسد رہین عناصر ہے، روح لافانی

(آدم اور حوا چلے جاتے ہیں)

ظلہ (قابیل سے)

اٹھو نا میرے بھیا!

ہابیل

تمہاری آنکھوں میں

عمیق سوچ کی افسردگی جھلکتی ہے

جبیں سے عزم کی شوریدگی ٹپکتی ہے

کہ جیسے بر سر پیکار ہو زمانہ سے

دل و دماغ سے یہ وسوسے ہٹاؤ بھی

اٹھو کہ پہنائے باغ و راغ میں گھومیں

ادا

کہیں ادا سے بھی ناراض تو نہیں قابیل

کہ آج باتوں میں پاتی ہوں اجنبیت سی

نگاہ سے مترشح ہے کیفیت دل کی
ترے سکوت میں پوشیدہ ہیں نکات خفی
مجھے ڈراتی ہے یہ تری سخن سنجی

قابیل　نہیں ادا نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں
یونہی طبیعت میں دل گرفتگی کے سبب
کچھ انتشار سا ہے اور کچھ اشتعال سا ہے
تو فکر مند نہ ہو انقباض وقتی ہے
پھلوں کو چل کے کرو جمع میں بھی آتا ہوں
ذرا اکیلے میں کچھ سوچنے کی مہلت دو
کہ میری پلکوں میں لہراتے ہیں پریشاں خواب
سکون کے متمنی ہیں مضمحل اعصاب

ادا　اگر نہ آئے تو میں بھی لوٹ آؤنگی

ہابیل　تمہارے حال پہ پروردگار رحم کرے!

(ظلہ، ہابیل اور ادا چلے جاتے ہیں)

قابیل　یہ زندگی ہے کہ منشور نامرادی کا!

ہمیشہ برسر آزار و گوشمال و گزند
عناں گسیختہ، شوریدہ خو، فساد پسند
نہ ہو سکی کسی قانون کی کبھی پابند
وہی مقام وہی فاصلے وہی وحشت

یہ کاروان بلا بے درا روانہ ہے
جفائے دشت ہے سنگینیٔ زمانہ ہے
وہی سفر وہی واماندگی وہی حسرت
نہ دن کو چین میسر، نہ رات کو راحت

یہ زندگی ہے کہ تعزیر جرم ناکردہ
ہمارے باوا نے کھاکے دانۂ گندم
ہمیں شبستان خلد سے کیا محروم
وہ ذات جس کو خبیر و بصیر کہتے ہیں

جو داور و قادر ہے رحیم و عادل ہے
خلق کو دیتی ہے آبا کی لغزشوں کی سزا
گناہ باپ کا اولاد بھگتے خمیازہ
عجب قضا ہے عجب معدلت پناہی ہے

کھلا نہ مسئلۂ اختیار و مجبوری
سمجھ سکے نہ ہم اسرار قربت و دوری
بنی ہے درد کی تصویر زندگی پوری

تمام طور طریقے ہیں نامرادانہ
کہ دل ہے معرفت زندگی سے بیگانہ

مگر یہ کون جو سیما و قد و قامت میں
ملائکہ سے ممیز بھی ہے مماثل بھی!

(ابلیس داخل ہوتا ہے)

ابلیس زمیں نژاد!

قابیل سفیر جہان علوی ہو؟

ابلیس نہاد میں آذر ہوں سرشت میں شعلہ
دلوں کے راز قیافہ سے بھانپ لیتا ہوں
کہ ہوں زمانہ کا سب سے بڑا ستارہ شناس
ہے نام میرا ابلیس کام ہے تلبیس
تمہارے سوز دروں سے بخوبی واقف ہوں
متاع بیش بہا ہے کشاکش افکار
کسی کسی میں ہوتی ہے جرأت اظہار

میں دیکھتا ہوں کہ توفیق فکر عام نہیں
اسی لئے تمہیں فیروز بخت کہتا ہوں
تمہارے سر پر سہرا ھے اولیت کا
کہ تم نے ھی لہرایا علم بغاوت کا
یہی ھے راستہ انسان کی سیادت کا
یونہی ملے گا اسے حق خود ارادیت
یونہی ملے گی زبونی و مسکنت سے نجات
یونہی وہ نکلے گا زندان جبر سے باھر
یونہی بنے گا پرکار و زیرک و ماھر
انہی خیال کی گستاخ دستیوں کے طفیل
نشور و حشر کے وھموں سے نکلے گا انسان
فروغ آگہی سے اپنے آپ کو پہچان
حقیقت ابدی ھے تفلسف و برھان
معاد ۔ کذب ، مکافات ۔ سر بسر بطلان
جزا سزا ۔ مخبوط الحواس کا ھذیان

قابیل

یہ تو مرے ھی خیالات کو زبان دیدی
کسی انیس کسی غمگسار کا ملنا
ریاض دھر میں اک امر اتفاقی ھے

مرے لبوں پہ نواھائے راز کا تھا ھجوم
مچل رہے تھے معانی ، تڑپ رہے تھے سخن
خیال ، آئینہ خانۂ تصور میں
ابھر ابھر کے حباب آسا ٹوٹ جاتا تھا
کہ اس کو آج تلک کوئی ھمنوا نہ ملا
کوئی تب و تاب دل کا آشنا نہ ملا
میں آج تک متلاشی تھا گوش محرم کا
ھوئی ھے بارے وہ دیرینہ آرزو پوری
جو میرے سینہ کے اعماق میں سسکتی تھی

ابلیس
میں رھنمائی کرتا ھوں بھولے بھٹکوں کی
مجھے لگن ھے ھمیشہ سے دستگیری کی
مذاق نقد و بصیرت کو عام کرنے کی
حقائق اشیاءٔ کا شعور دینے کی
کہ بے جھنجھوڑے کبھی جاگتا نہیں ادراک
خرد سے بڑھ کے کوئی شے نہیں تہ افلاک
تمہارے باپ کو تعلیم تاب و تب دے کر
درخت ممنوعہ کے قریب لایا تھا
اسی لئے کہ وہ اسرار زندگیٔ دوام

سمجھ کے جبر مشیت سے ہو سکے آزاد

وہ قہر ماں جو خود کو کریم کہتا ہے

دلوں کو ڈال کے خود معرض ہلاکت میں

طرح طرح سے دلا کے گناہ کی ترغیب

پکارتا ہے یہ خناس کے وساوس ہیں

عدوئے دین و ایماں ہے اس سے بچتے رہو

جو خود محرک ہے کفر کے دواعی کا

جو خود ہے باعث ہیجان نفس امارہ

معلم لذت ، ملہم ریاکاری

جو اس کتاب کونین کا مصنف ہے

دلا کے شوق گنہ سادہ لوح بندوں کو

کہے فرشتوں سے دو فرد جرم کو ترتیب

یہ بندے آہ یہ بیچارگان خستہ نصیب

کہ جن کو مبدأ فیاض کی تنک ظرفی

ہمیشہ جام بلب ، تشنہ کام رکھتی ہے

ملا زمانہ غم زندگی کو سہتے ہیں

میں خستگاں کو پیام نشاط دیتا ہوں

عمل کی آزادی' فکر کی اباحت کا

میں ذوق وشوق زمانہ میں عام کرتا ہوں

دلوں میں کرتا ہوں روشن چراغ خود نگری
صنم کدوں میں لٹاتا ہوں نور دیدہ وری
مقدمات تمنا، معاملات جنوں
ہمیشہ ہوتے ہیں فیصل مری عدالت میں
پر ایک شرط بھی ہے مجھ سے فیضیابی کی

قابیل وہ کیا ؟

ابلیس کہ میں متعلم سے عہد لیتا ہوں
کہ وہ معلم اول سے ہو کے رو گرداں
بنے گا میرا پرستار و بندۂ بے دام
مرے ہی نام کو پوجا کرے گا صبح و شام
مرے ارادوں سے اعراض ہو نہ سرتابی
کہ ناقصان بصیرت کی خو ہے سیمابی

قابیل خدا کے سامنے بھی میرا سر تو خم نہ ہوا
کہ میں اسے توہین خودی سمجھتا ہوں

ابلیس مری قیادت کا اعتراف ہے یہ بھی

یہ بھی تو میرے ہی مشرب کی کامیابی ہے
کہ ایک بندۂ آزاد خود فروش نہیں
یہی ہے مسلک ارباب اجتہاد و نظر
کہ سر بلند ستاروں پہ ڈالتے ہیں کمند
تلاش رہتی ہے ایسے ہی سر پھروں کی مجھے
کہ جن سے قائم ہے آبروئے اہل ہنر

قابیل حیات و موت کے اسرار مجھ کو سکھلا دو
کہ میرے دل سے یہ اندیشہ ہائے دور و دراز
جو نیشتر بن کے چبھتے ہیں رگ جاں میں
نکل کے مجھ کو کریں انشراح صدر نصیب

ابلیس تو میرے ساتھ چلو پھر

قابیل کہاں ؟

ابلیس جہاں بھی کہوں
میں این و آں کے حجابات چاک کردوں گا
مٹا کے سب خلجان خواطر و خدشات

تمہیں مسرت سے ہمکنار کردوں گا
حریم فطرت کا رازدار کردوں گا

قابیل

تو میں چلوں گا ضرور آپ کی معیت میں
مجھے بھی جانئے اخلاص کوش وحلقہ بگوش
اسی طرح متعدی شکوک کی یلغار
گماں کی تاخت وتاراج رک سکے شاید

(ادا داخل ہوتی ہے)

ادا

مرے عزیز برادر، کس اہتمام میں ہو
چلو کہ کنج چمن انتظار کرتا ہے
فضا اداس ہے اندوہناک ہیں منظر
مجھے تو آب بقا زہر ہے تمہارے بغیر
جہاں کی ہر نعمت قہر ہے تمہارے بغیر

ابلیس

زیادہ دیر مجھے تاب انتظار نہیں
دوٹوک بات کرو، وقت وصل یار نہیں
عدوئے عزم وعمل ہے فسون حسن نگار
چلو شتاب جو دل کو ہے جستجوئے قرار

قابیل ادا مجھے جانے دو

ادا

کہاں چلے قابیل

مجھے فراق کا اندوہ رائگاں دے کر

کہاں کا عزم سفر ہے مرے رفیق حیات

تمہارے ساتھ میں ہر کرب جھیل سکتی ہوں

ہنسی خوشی اپنی جاں پہ کھیل سکتی ہوں

خیال بے برگ و بار ہے تمہارے بغیر

گلاب چبھتا ہوا خار ہے تمہارے بغیر

یہ زندگانی آزار ہے تمہارے بغیر

ہر ایک آساں دشوار ہے تمہارے بغیر

مجھے بھی لے چلو قابیل میں بھی چلتی ہوں

کہ جان جینے سے بیزار ہے تمہارے بغیر

کہ سانس سینہ میں تلوار ہے تمہارے بغیر

ابلیس نہیں یہ نا ممکن ہے

قابیل

مری ادا دیکھو

زیادہ ہٹ سے کوئی فائدہ نہیں سوچو

رضا و رغبت سے مجھ کو اذن رخصت دو

ادا

یہ کون شخص اپنے درمیان حائل ہے
بتاؤ یہ وہی سوداگر زیاں تو نہیں
کہ جس نے خلد بریں سے ہمیں نکلوایا
ہماری سادہ ماں کو بزور عیاری
فریب عیش جاوید دے کے بہکایا
یہ فتنہ گر تو ہمارا پرانا دشمن ہے
عدو سے ہر ممکن احتراز واجب ہے
ہمیشہ اس کے تعاقب میں نجم ثاقب ہے
یہ بد ہمشیہ سے بدخواہطین لازب ہے
نہ خوف مرگ نہ اندیشۂ عواقب ہے
رگوں میں دوڑتا پھرتا ہے یہ لہو بن کر
ہر انجمن میں موجود ہے سبو بن کر
ازل سے اس حیلہ جو کا کام ہے اغوا
ہے خود بھی چونکہ مردود و خائب و رسوا
زنادقہ سے اس کا علاقہ محکم ہے
جو ہو سکے اسے اپنا مرید کرتا ہے
لقائے حق سے اسے نا امید کرتا ہے

خدا سے رشتہ و پیوند منقطع کر کے
سکھاتا ہے اسے آداب اعتزال و نفاق
دروغ مصلحت آمیز کی وساطت سے
بیاں کو کرتا ہے بیگانۂ سیاق وسباق
بچو مرے قابیل اس کی چیرہ دستی سے
کہ اس کے زہر کا پیدا نہیں کہیں تریاق

قابیل مری ادا اس طومار کو لپیٹو بھی
مرے ارادوں کو یوں تو مضمحل نہ کرو
مجھے بس اک ساعت کے لئے اجازت دو
کہ میں سیاحت اقلیم مرگ کر آؤں

ابلیس تلاش حق میں اساطیر کی حقیقت کیا
تمہیں مرے متعلق یہ بدگمانی ہے
کہ میں نے ہی تمہیں خانہ بدوش کروایا
کوئی گناہ نہیں اجتہاد کی غلطی
یہ درحقیقت اللہ کی مشیت تھی
کہ جس کو بر و رؤف و رحیم کہتی ہو
کسی بہانہ تم کو جلاوطن کر دے

صفحہ پینتیس

زر داغ دل

اور اس کا اس نے الزام مجھ پہ تھوپ دیا
ازل سے اسکا یہی شیوۂ کریمی ہے
مرے وجود کو جانو نہ باعث آلام
کہ خودشناس ہی ہوتے ہیں موردالزام
ہے مصلحوں کا ازل سے معاوضہ دشنام
ہوا نہ ذوق تغیر کبھی زمانہ میں عام
ہوں قدوۃالحکماؑ اور سیدالاحرار
مری سرشت ہے مانند ابر گوہر بار
نیاز مند ہیں میرے مفکرو فنکار
کہ ہوں میں مطلع انوار و مخزن اسرار
میں آرزو کے دیوان کا مصور ہوں
زبور حرف و حکایات کا مفسر ہوں
خطیب حسرت ہوں شوق کا مغنی ہوں
ترانہ بوالہوسوں کا، دکھی دلوں کی پکار
سرود خانۂ ہمسایہ، حسن راہگذار
نوائے عاشق مہجور، صوت صلصل وسار
مولف عبرات و مصنف نظرات
نقیب عشرت امروز و داعیٔ شہوات
اسی لئے متفنن خطاب ہے میرا

نشان بربط و چنگ و رباب ہے میرا
پرانے وقتوں میں مجھ کو لیئم کہتے تھے
نیا تخلص عالی جناب ہے میرا
ہمیشہ پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے میرا
مرا ہے میکدہ ، کاس الکرام ہے میرا
مئے نشاط سے لبریز جام ہے میرا
ہر اک مقام سے آگے مقام ہے میرا
امید ہے اب شک رفع ہو گیا ہوگا
مری دیانت پر کامل اعتبار کرو
تم ایک دو ساعت اس کا انتظار کرو
ابھی تمہارے بھائی کو چھوڑ جاؤں گا

(قابیل سے) چلو چلیں (دونوں غائب ہو جاتے ہیں)

ادا مرے قابیل اس کے ساتھ نہ جاؤ
کہ اس کی باتوں سے بوئے فساد آتی ہے
یہ سرکش و متمرد ہے مفسد و عیار
ہیشہ پڑتی ہے اس نامراد پر پھٹکار
ہے تو ہی بار خدایا دلوں کا رکھوالا

ہے تو ہی آئی بلاؤں کو ٹالنے والا
ہے گرچہ بادۂ توحید کا وہ متوالا
الہی میرے قابیل کی حفاظت کر
کہ آج شومیٔ قسمت سے بن گیا رہبر
بساط کفر کا شاطر وہ آتشیں پیکر
لہیب نار و غو تندر و دو صر صر
جو آدمی کا شروعات سے ہے خصم مبیں
وہ جس کا سحر سر کہکشاں، بروئے زمیں
لبوں پہ حرف گستاخ آہی جاتا ہے
وہ عاقبت نا اندیش ہے خرافہ گو
قریں ہے اس کا بئس القریں بچا اس کو!

قابیل   یہ منجمد دنیا یہ جہان تیرہ و تار
نفس کی آمد و شد بھی ہے جس جگہ دشوار
اجاڑ، ویران جس طرح کوئی گورستان
دکھائی دیتا ہو آسیب چاند راتوں میں
یہ خواہشات کا مدفن یہ آرزو کا مزار
گنہ کی طرح حزیں، دھیان کی طرح خاموش
کوئی صدا نہ صدا کار کے کوئی آثار
کہ جیسے لیٹا ہوا بس گھولتا ہو سناٹا
یہ کیسی روشنی ہے ملگجے اندھیروں میں
کہ جیسے اوڑھی ہو ہر شے نے بیوگی کی ردا
ہر ایک شے متحجر، مہیب و وحشت ناک
ستم کی طرح گراں، درد کی طرح سفاک
کہ جیسے اس پہ طاری ہو عالم سکرات
کہ جیسے فرش ہجراں پہ رینگتی ہو رات

ابلیس — یہ مملکت جسے غم کا نگار خانہ کہیں
جسے عروس حقیقت کا آستانہ کہیں
یہی ہے موت کی اقلیم بے حدود و ثغور
کہ جس کے درک سے عاجز ہے آدمی کا شعور
یہی ہے عرصۂ محشر، یہی مقام نشور
یہیں پہ ہوتا ہے اتصال غیب و حضور

قابیل — مگر یہ موت ہے کیا ؟

ابلیس — تو تمہارے خالق نے
تمہیں بتایا نہیں، ماندگی کا وقفہ ہے
وہ، عرف عام میں جس کو ممات کہتے ہیں
مذاق زیست کی تجدید یا بطرز دگر
یہ زندگی کے چہرے کا دوسرا رخ ہے
پرانے بھولے ہوئے درس کا اعادہ ہے
نئے ظروف مشجر میں کہنہ بادہ ہے

قابیل — حیات و موت کا آخر یہ فلسفہ کیا ہے
یہ زندگی یہ تناسخ یہ بعث بعد الموت

خرد کی بھول بھلیوں میں ذہن سر گرداں
نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا کا نشاں
بس ایک قافلہ غم کا جو بے جرس ہے رواں
ہے کیا خلافت و بعثت کی غایت پنہاں
جہاں میں ہر طرف افسردگی ہے نالے ہیں
جو دل گداختہ ہیں درد کے حوالے ہیں
خدا نے آخر تخلیق غم سے کیا پایا!
فروغ کاہش و حیرت میں مصلحت کیا ہے
یہی ہے عشرت ہستی تو مسکنت کیا ہے!
کوئی تو کھولو معمائے انفس و آفاق!
کہاں پہ ملتا ہے زہر حیات کا تریاق؟
یہ قرضہ زیست کا ہوتا ہے کس طرح بیباق؟
ہیں دھڑکنیں دل گیتی کی شکوہ سنج فراق
نوائے درد سے لبریز رہگذار و رواق

ابلیس

یہ درد و غم اسی وہاب کا ہے فیض عمیم
جو کھلواتا ہے شیرازہ بند عظم رمیم
جو مشت خاک کو اندوہ روز و شب دے کر
یہ کہتا ہے پڑھو تسبیح رب بر و رحیم

جو ڈال کے دل حوا میں الفت ھابیل
اسے سناتا ہے مژدۂ خیام و قصور
تمہاری سعی رہی ہے ہمیشہ نامشکور
ستارہ اوج پہ رہتا ہے اس عطائی کا
تمہارا شہر تمنا ہمیشہ بے آباد
تمہارے باغچہ و کشت تو دھائے رماد
پر اس کا طالع دیباچۂ کتاب مراد
اسی خدا کی ہے یہ سنت کریمانہ
کبھی جو کرتا نہیں فرق درمیان عباد
وہ جس کے ذمہ ہے انسان کا معاش و معاد
حیات قید ہے جس کی کوئی نہیں میعاد
ریاض کرتے ہیں دن رات خود ستا زہاد
حصول تسکیں اک سعی ہے مگر برباد

قابیل یہاں سے بھی کوئی درمان درد دل نہ ملا
نہ کامران ہوئی جستجوئے شہر مراد
چلیں کہ چل کے کروں میں ادا سے راز و نیاز
وہی ہے ظلمت حرماں میں شمع راہگذار
اسی پہ ہے ایوان امل کا دار و مدار

کہ جیسے گل کے لئے بانگ کاروان بہار
اسی طرح، وہ مرے شوق کو نوید قرار
چلیں کہ چل کے چراغاں کروں دیارِ حبیب
اسی طرح شاید چمکیں میرے تیرہ نصیب

ابلیس   تو اچھی بات ہے دنیا کو لوٹ چلتے ہیں
عجیب ہے یہ مناظر بھی تم کو کھلتے ہیں
تمہاری چھلنی چھاتی پہ مونگ دلتے ہیں!

ادا

ہمیشہ رہتے ہو بحرِ فکر میں غلطاں
تمہارے چہرے پہ ہے نقشِ سوگواری کا
پناہ ڈھونڈی ہے سایوں کی وادیوں میں کہیں
جہاں نشانِ کفِ پا کا بھی ملے نہ سراغ
مذاقِ سیرو تماشا، نہ گفتگو کا دماغ
ہمیشہ سر بگریباں، ہمیشہ شکوہ گسار
کہ جیسے محفلِ دوشینہ کی بہاروں نے
وہ داغ دل کو دئیے ہیں کہ دل ہے ساحتِ باغ
دو آنکھیں ہیں یا حسرت کے ٹمٹماتے چراغ
یہ زندگانی ہے یا یادِ رفتگاں کا مزار
ابھی تو کتنے ہی اوراق نا نوشتہ ہیں
امید وار ہیں سکر و سرور کے عنواں
ابھی تو شاہدِ ہستی ہے دلنواز و جواں
ابھی تو فصلِ بہاراں ہے کیف کا دیواں
محبتوں کے مہیا ہیں سب سروساماں

کبھی تو دختر و فرزند کی طرف دیکھو
زمیں کے جگنو ہیں آسماں کے تارے ہیں
یہ بھولے بھالے دلارام ہیں دلارے ہیں
حسیں تماشائی ، دلنشیں نظارے ہیں
اس اپنے ننھے گھروندے کو خلد ہی سمجھو
یہیں کریں گے ہم تازہ جنتیں آباد
کبھی نہ جن میں چلے گی ہوائے بغض و عناد
تو دل شکستہ نہ ہو ، مہرباں ہے رب عباد

قابیل

یہ بچے جن کو درِ شاہوار کہتی ہو
جو مرکزِ امید' آرزو کا محور ہیں
جو حزن و حرماں کے بے کراں اندھیروں میں
نمود نجم سحر ہیں ، شعاع خاور ہیں
خیال و خواہش کے طاق جن سے روشن ہیں
جو بلبلوں کی طرح رات دن نوازن ہیں
جو تیری گود میں آسودۂ نشیمن ہیں
یہ کمسن و نازک ، گلعذار و لالہ فام
پلائے گی انہیں صد شیوہ گردش ایام
کشید حنظل و زقوم کا لبالب جام

اس آب و دانہ کا موت ہے اگر انجام
تو اس حیاتی سے نیستی ہی بہتر ہے

ادا تم اس فسادی کی دو گھڑی رفاقت سے
کچھ اور بھی متشائم سے ہو گئے قابیل

(ہابیل داخل ہوتا ہے)

ہابیل مرے مکرم بھائی! کہاں سے آئے ہو؟
سنا تھا آج تم ابلیس کی رفاقت میں
گئے تھے اقلیم مرگ کی سیاحت کو
یہ آپ کی پرانا مصلحت شناسی ہے
کہ ربط محکم رکھتے ہیں اس مفند سے
جو دودۂ آدم کا ہے دشمن ازلی
سرشت جس کی جدالی' مزاج بو لہبی
اصول جس کا دغا' شغل جس کا فتنہ گری

(ادا سے)

ادا بہن تم جاؤ کہ ہم اکیلے میں
حضور باری تعالیٰ میں دیں گے قربانی

(ادا چلی جاتی ہے)

قابیل — مجھے زیادہ مجبور مت کرو ہابیل
کہ یہ وظیفہ طبیعت کو سازگار نہیں

ہابیل — مرے مکرم بھائی، پرانا وعدہ ہے
جو وضعدار ہوں پیماں سے نہیں پھرتے
کہ پاس عہد سے ہے دوستی کی نشوونما

قابیل — تمہاری خاطر میں اس عذاب روحانی
اس ابتلائے جسمانی سے گذرتا ہوں
تمہیں مبارک، آسائش و فراوانی
نشان خلافت کا، تمغہ، جہانبانی
چمن میں سبزہ، بیگانہ کی نگہبانی
ریاض دھر میں گلچیں کی تنگ دامانی
مجھے تو رکھتی ہے مصروف سوز پنہانی
گریز پا ہے بہار، آب و رنگ ہے فانی
یہ زندگی ہے مصور کتاب نادانی
خزاں کا دفتر، مجموعہ، پریشانی
نشاط کار کا انجام ہے پشیمانی

(دونوں قربانی پیش کرتے ہیں ہابیل
کی قربانی قبول ہوجاتی ہے لیکن قابیل
کی شرف قبولیت سے محروم رہتی ہے)

قابیل تمہارا رب بھی تمہیں کو پسند کرتا ہے
مرے خلاف خدائی کے کارخانے کا
ہر ایک کل پرزہ مبتلائے سازش ہے
تمہارے حال پہ ہر رنگ میں نوازش ہے
مرے جہاں میں فریاد و نالہ و شیون
پسینہ ہے آنسو ہیں عمل ہے محنت ہے
ترے جہاں میں تنویر وادیٔ ایمن
وفور عیش ہے، افراط ناز و نعمت ہے
اسے میں مطلق برداشت کر نہیں سکتا
تجھے ہی ماروں گا گر آپ مر نہیں سکتا
کہ سرفروش عقوبت سے ڈر نہیں سکتا!

(بیلچہ اٹھا کر اس کے سر پر دے مارتا
ہے ہابیل زخمی ہو کر گر پڑتا ہے)

ہابیل یہ کیا کیا مجھے کس جرم کی سزا دی ہے؟

تمہاری اس حرکت کو خدا معاف کرے
یہ جان شیریں اس کے سپرد کرتا ہوں
کہ ہے اسی کو بقا لا الہ الا اللہ
پہ حق ادا نہ ہوا لا الہ الا اللہ

(دم توڑ دیتا ہے)

ہاتف حقیقت ابدی کل من علیہا فان
ہمیشہ جس کا رہے نام اس کو تو پہچان
حریم قدس میں کہتی ہیں حوریان جنان
کہ لہو و لعب کی دنیا میں کھو گیا انسان
سفر کی پہلی ہی منزل میں سو گیا انسان

قابیل یہ کیا کیا میں نے کس لئے کیا میں نے
خدا رسیدہ بھائی کو جوش میں آکر
متاع زیست سے محروم کر دیا میں نے
بچاری ظلہ کو مرحوم کر دیا میں نے
یہ کیا کیا میں نے کس کو کھو دیا میں نے
دلوں میں نفرت کا بیج بو دیا میں نے

(ظلہ داخل ہوتی ہے)

ظلہ — یہ کیسی ضرب تھی کس چیز کا دھما کا تھا ؟
کہ یک بیک مرے دل میں اک ارتعاش ہوا

(ہابیل کی نعش پر نظر پڑتی ہے)

یہ مجھ پہ وار کیا کس کے خبث باطن نے ؟
یہ کس نے لوٹی ہے طاقت پر افشانی ؟
بجھا دی کس نے مری زندگی کی تابانی
مری نگاہوں میں چھا گئی ہے ویرانی

(سینہ کوبی کرتی چلی جاتی ہے)

(حوا آدم اور ادا کے ساتھ واپس آتی ہے)

حوا — مرا عزیز! مرا نور چشم! لخت جگر!

آدم — یہ کس کا فعل ہے قابیل صاف صاف کہو

ادا — کہو کہ اس سے تمہارا کوئی علاقہ نہیں
کیا نہیں تم نے ارتکاب فعل شنیع

آدم — جو تم کو اپنی برائت میں کہنا ہے کہہ لو

ادا کہو کہو مرے قابیل سرنگوں کیوں ہو
یہ جان لو کہ خموشی ہے اعتراف گناہ
مجھے تو آپ پہ ایسا گماں نہیں تھا پر آہ
کہو کہو کہ یقیں سے بدل رہا ہے شبہ

حوا یہ انفعالیت ہے گناہ کا اقرار
مرے چہیتے ہابیل کا یہ قاتل ہے
اسی کمینہ اسی کینہ توز حاسد نے
گلاب کو سر گلبن سے نوچ ڈالا ہے
یہ سر پھرا، آوارہ، غرور کا پتلا
جو صبح وشام خدا کے خلاف بکتا تھا
اسی نے مجھ کو یہ داغ دلگداز دیا
اسی نے دی مجھے تکلیف سینہ چاکی کی
بتا ترا اس مسکیں نے کیا بگاڑا تھا
کہ تو نے اس بیدردی سے اس کو مارا ہے
مری سعیدہ بیٹی کا گھر اجاڑا ہے
یہ بددعا ہے مری تم بھی نامراد رہو
ہمیشہ گردش میں مثل گردباد رہو
ہمیشہ اپنے اعمال نا سزا کے طفیل

صفحہ آکیاون

زر داغ دل

اسیر سلسلۂ فتنہ و فساد رہو
نزول کرتا رہے تم پہ آسماں سے عذاب
کبھی زمیں کے مساموں سے آہ بن کے اڑے
کبھی ہوا کبھی ابر سیاہ بن کے اڑے
کبھی طیور بلا کی سپاہ بن کے اڑے
جو تیری صلب سے پیدا ہوں لڑتے کٹتے رہیں
ہمیشہ چاند کے مانند بڑھتے گھٹتے رہیں
زمیں پہ یم کی طرح پھیلتے سمٹتے رہیں
ہمیشہ تیر حوادث کا وہ نشانہ بنیں
سیاہ کاریوں سے عبرت زمانہ بنیں
وہ ذریات شیاطین با خدا نہ بنیں
کبھی نہ ان کو میسر ہو آرزو کا فراغ
کبھی نہ ان کو ودیعت ہو آشتی کا دماغ
ہمیشہ ان کے گھروں میں جلیں لہو کے چراغ
جہاں چلیں وہ نحوست کو ساتھ لے کے چلیں
حسد کو غم کو کدورت کو ساتھ لے کے چلیں

ادا: شفیق امی جان اب زیادہ کچھ نہ کہو
کہ اب کلیجہ نصیبوں جلی کا پھٹنے لگا

مری ہی کوکھ سے یہ بے نوا جنم لیں گے

مرے خدا مجھے اندوہ جاوداں سے بچا

مرے شکستہ سفینہ کو تو کنارے لگا

مرے خدا تو تو سنتا ہے بیکسوں کی دعا

ہے تو ہی غم کے ماروں کا ساس و ملجاء

مرے خدا تجھے آمرز گار کہتے ہیں

لطیف و عادل و پروردگار کہتے ہیں

نہ چھین مجھ سے مری زندگی کا برگ و نوا

تو تائبوں کو ہمیشہ عزیز رکھتا ہے

گناہگار تری بارگاہ رحمت سے

ہمیشہ لوٹے ہیں سرشار و سرخرو ہو کر

مرے خدا مجھے اندوہ جاوداں سے بچا

مرے شکستہ سفینہ کو تو کنارے لگا

آدم

مرے نگاہ سے اب تم ہمیشہ دور رہو

کہ تم پہ دل کے دروازے بند ہوتے ہیں

جہاں میں ایسے بھی ناارجمند ہوتے ہیں

عدو فراغ کے، مشکل پسند ہوتے ہیں

مری نگاہ سے اب تم ہمیشہ دور رہو

جگر فگار و الم ناک و ناصبور رہو

(ظلہ سے)

بٹاؤ ھاتھ اپنے سوگوار باوا کا

شہید بیٹے کی نعش کو کفن دیدیں

(چلے جاتے ھیں)

قابیل یہ میرے دل کی قساوت نے کیا ستم ڈھایا!

یہ کس کے منطق واژوں نے مجھ کو بہکایا؟

یہ کس نے دل میں شرارت کا شعلہ بھڑکایا؟

ادا تو ٹھیک کہتے ھیں تعجیل کار شیطاں ھے

قابیل غضب ھے یہ، بے اولاد مر گیا ھابیل

جوانیوں میں ناشاد مر گیا ھابیل

مرے سکوں کو برباد کر گیا ھابیل

غم اسیر کو آزاد کر گیا ھابیل

اب اس خسارہ کو کس طرح کروں پورا

کہ امتداد زمانہ سے تیز ھوگا نشہ

فساد عقل ھے بدمستی' دل رسوا

چڑھے گی اور ابھی روزگار کی آندھی
بڑھے گی اور ابھی شدت غم ہستی
کوئی علاج بھی ہے تلخیٔ ندامت کا!
کوئی مداوا پس ماندگاں کی حسرت کا!

ادا خدائے پاک سے ہے میری عاجزانہ دعا
جوار رحمت میں دے شہید حق کو جگہ
کرے خیابان خلد میں اسے داخل
رہے نہ اس کو جہاں فکر ناقص و کامل
سکون تام ہو حاصل!

قابیل مگر یہ سوختہ دل؟

چھاؤں

زر داغ دل

جہانِ نو
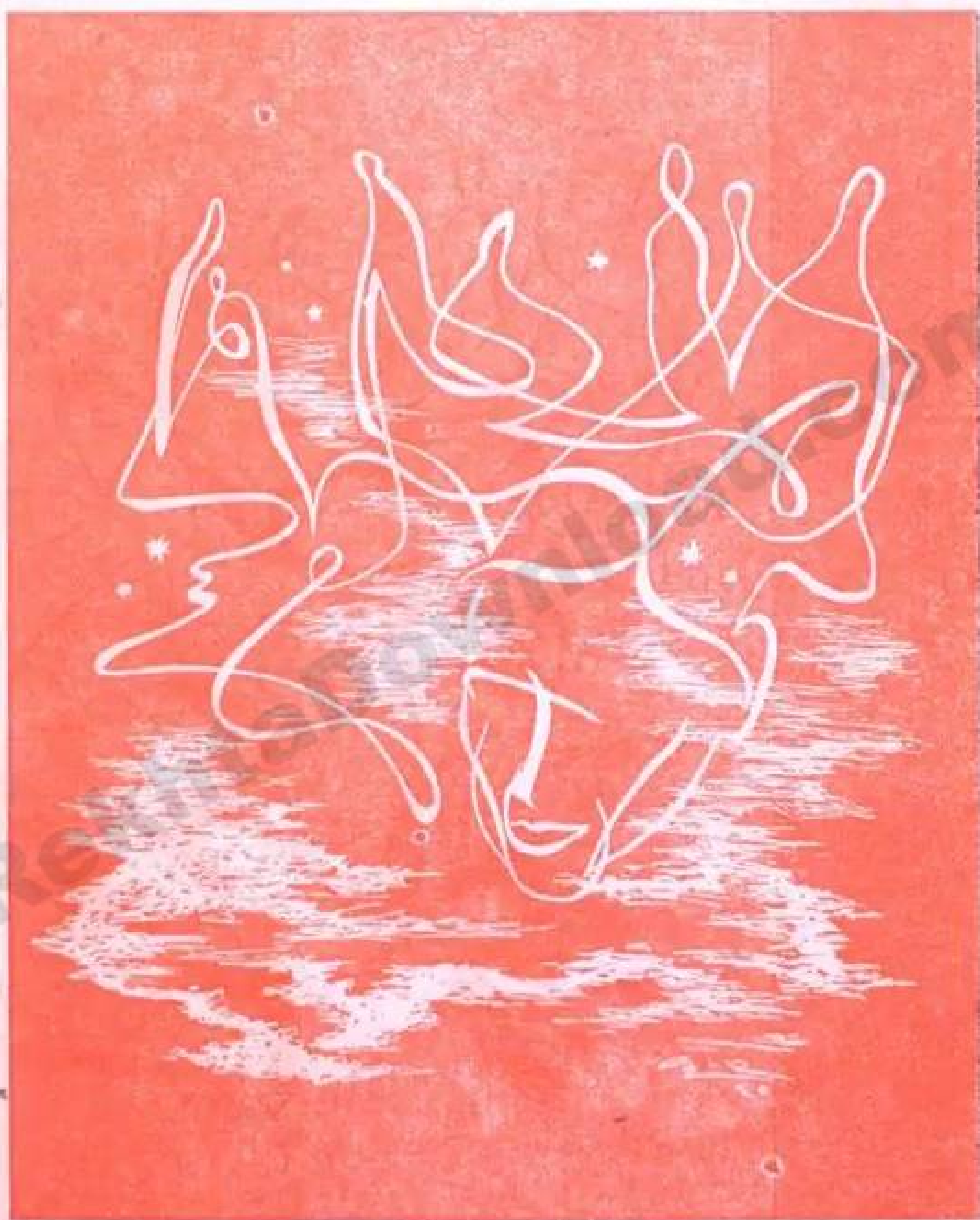
صبحِ حینہ

آذر

شعلہ ساب

حاجب راز

پیک نور

ندائے غیب

آذر (صبحینہ کے مجسمہ کے سامنے)

حسن تخلیق کا اعجاز ہے یہ پیکر گل!
مرے افکار کا آہو کہ تھا آوارہ خرام
تہ گرداب کہیں قلزم مینائی میں
کتنی مشکل سے ہوا دام نظارہ میں اسیر
سالہا سال کی مہجور و حزیں جاں کاہی
آج نیرنگیٔ قدرت سے مجسم ہو کر
دلربا یانہ مرے سامنے استادہ ہے
طین لازب کا یہ پیکر کہ ہے سجدہ گہ شوق
میری تصویر گری، میری قلمکاری ہے!
ایسا جادو تو کبھی سانچہ میں ڈھالا نہ گیا
یہ وہ جادو ہے کہ مسحور ہو خود زہرہ بھی
جس کے جلووں سے فروزاں ہے تخیل کا حریم
جس کی خوشبو سے مہکتا ہے شبستان نسیم

ندائے غیب

کیا ترے کام کی تکمیل ہوئی ؟

آذر
ایزد پاک !

ندائے غیب

ہے ترا ساز مگر تشنۂ آہنگ ابھی
روح کا سر نہاں تجھ پہ عیاں ہو نہ سکا
راز منت کش اظہار و بیاں ہو نہ سکا
کس طرح کن کی پر اسرار صدا کرتی ہے
ایک قطرے کو گہر، ایک لطیفہ کو بشر
میں نہ چاہوں تو یہ پتھر کے نگاریں پیکر
آشنا ہوں نہ سکیں لذت پیدائی سے
چمن دہر کے آئین خود آرائی سے
مسلک یوسفی و وضع زلیخائی سے
جب تک اس کو میں شناسائے تکلم نہ کروں
اس کو ایام کی بے تابی جاوید نہ دوں
نا مکمل ہی رہے گا یہ نقش
ترے گلکار خیالات کا عکس

صفحہ باسٹھ

زرداغ دل

آذر   یہ بھی پائے گا حیات ابدی؟

ندائے غیب

جسم فانی ہے کہ ہے مظہر خاک
مرے انفاس سے وابستہ ہے سررشتۂ روح
اپنے خالق کی طرح روح بھی لافانی ہے
راز سربستہ کے عرفان سے غمناک نہ ہو
اس کی آنکھوں کو ہم اسرار نہاں بخشیں گے
اس کے ہونٹوں کو غنا، کاہکشاں کاکل کو
اس کے انداز کو بخشیں گے وہ محبوبئی ناز
جب اٹھے زمزمہ پرداز وفسوں ساز اٹھے
اس کی رفتار سے شرمندہ غزالان بہار
سرنگوں قامت رعنا سے سہی قد شہناز
حور وا فرشتہ کی ہمراز وانیس ودم ساز

(ہوا کا تیز جھونکا)

آذر   زلزلہ تھا کہ ہوا کا جھونکا
در و دیوار زمیں بوس ہوئے
نیم وا ہونٹ ہلے ہولے سے
کتنا دلکش ہے بم وزیر نفس

لب جونے کوئی لچکے جیسے
قامت ناز کو جنبش دے کر
آس پاس اس نے نگہ دوڑائی
اس کی آنکھوں میں ہے صحرائے تحیر آباد
چشم و لب ہیں کہ ایاغ حیرت
موج خوں سے لب ورخسار پہ سرخی دوڑی
رگ افسردہ سے احساس کے شعلے پھوٹے
زندگی جلوہ گہ راز سے نکلی، تپش آموز ہوئی
اور یہ پیکر گل زندہ و بیدار ہوا !
سعی مشکور ہوئی ، جہد ثمر لے آئی !

پیک نور

غم ایام سے یک لحظہ فراغت نہ ملی
ایک آزار ہے آخر یہ جہاں گردی بھی
ایک پل چین نہیں، جان عجب ضیق میں ہے
آج جس کام کی تکمیل کو میں نکلا ہوں
وہ مگر ہے طرب انگیز خلاف معمول
طارم عرش سے پیغام ملا ہے مجھ کو
جس جگہ رہتا ہے مجبور ستم شعلہ مآب
ایک دوشیزۂ نورس کو وہاں لے جاؤں
تاکہ وہ حسن جواں سال کی رعنائی سے
اس کے اجڑے ہوئے گلزار کو آباد کرے
اور افکار کم و بیش سے کر کے آزاد
اسے مرہون خمار مئے دوشینہ کرے
خلوت شب میں بچھائے گل ولالہ کی بساط
صبح دم پیش کرے طشت طلائی میں صبوح

غم ایام کو دونوں یونہی بہلاتے رہیں

یونہی منظر گہ آفاق کو سہکاتے رہیں

آج میں دوش صبا پر رقصاں

ایک مظلوم کی دل داری کو

برق وش نغمہ سرا بال فشاں جاتا ہوں !

شعلۂ آب

نیلگوں بحر شفق پوش کی پہنائی میں

چھلکی مینائے سحر، کشتیٔ مہ ڈوب گئی

کہکشاں ماند ہوئی، قرمزی موجیں ابھریں

رات بھر ذہن میں احلام پریشاں کا ہجوم

کسی آئیندہ مصیبت کی خبر دیتا رہا

مطلع خور سے ابھرتے ہوئے خمدار خطوط

آج شاید نئے آلام کا مژدہ لائیں

قہرمانان فلک کی ستم آرائی سے

کب تلک مورد آلام رہے گا احساس

(پیک نور اور صبحینہ دہلیز پر)

صبحینہ

غیر مرئی کوئی شے ہے جو مجھے روکتی ہے

ایک محبوس فغاں، ایک گلوگیر نوا

در و دیوار سے ٹکرا کے پلٹ آتی ہے
کتنا ویران ہے یہ عالم تنہائی بھی !
میں تو اس کعبۂ احزاں میں نہیں جاسکتی
بڑبڑاتا ہے وہ کیا؟ —— شکوۂ اندوہ وفا
حزن مجبور کی اک ساکت وجامد تصویر
ایک ناشاد ، پر اسرار ، حزیں خاموشی

پیک نور

آؤ۔ تسلیم ہے اے شعلہ ٔ آب ؟

شعلہ ٔ آب

کون ؟

پیک نور

میں ہوں مجھے کیا بھول گئے ؟

شعلہ ٔ آب

تو جو ہے چوروں کا سر خیل سفیر فلکی
میرے مسکن میں تجھے کون سی حاجت لائی
کیا کوئی چیز چرانے کے لئے آئے ہو؟

پیک نور

تیرا دامن بھی تو آلودہ ہے
تو نے بھی آگ کی چوری کی تھی

شعلہ مآب

منھ اندھیرے ہوئی کیا ایسی ضرورت لاحق

پیک نور

دیوتاؤں کے لئے وقت کی تحدید نہیں
رب الارباب نے بھیجا ہے مجھے تیری طرف

شعلہ مآب

کس لئے ؟

پیک نور

عیش و طرب کا سرو ساماں دے کر
کہ ترے کلبۂ احزاں کو کروں بقعۂ نور

شعلہ مآب

دیوتاؤں سے نہیں کوئی عقیدت مجھ کو
ان کے تحفوں سے مجھے خون کی بو آتی ہے

پیک نور

سوچ یہ مرمر و مرجاں کا حریری پیکر

یاسمیں وش ، گل تر سے نازک
لالہ رخ، غنچہ دہن، نرم و سبک
کبھی دے سکتا ہے تجھکو کوئی آسیب و گزند؟

شعلہ مآب

دیوتاؤں سے مرا جب کوئی یارا نہ نہیں
کس تعلق سے کروں ان کے تحائف کو قبول
ان کے الطاف حسیں گرچہ ہوں دامن کش دل
فقر خود دار نہیں خوگر تسلیم و رضا
کون ہے تو ؟

صبحینہ

میں تجھے جانتی ہوں تو گرچہ
مجھ سے ناواقف و آزردہ و برگشتہ ہے

پیک نور

کس طرح تجھ کو بھلا مجھ سے شناسائی ہے

صبحینہ

تو ہی تھا محفل آفاق کا مشعل بردار
روشنی بخش ولایات و دیار و امصار

صفحہ سفر

زر داغ دل

میرا طالع تو خلاؤں میں کہیں ڈوب گیا

وہ بھی احسان فراموش ہی نکلے آخر

دیوتاؤں سے تو پہلے کوئی امید نہ تھی

جب گھٹاٹوپ اندھیروں نے طرب گاہ ونکے

رقص کو آہنی حلقوں میں جکڑ رکھا تھا

میں نے ہی حضرت انساں پہ ضیا پاشی کی

اس کے ظلمت کدہ غم میں بکھیرے انوار

اس کے مہ پاروں کو سکھلائے رموز و اسرار

دشت و صحرا کے حسینوں کی حنا بندی کی

وادی و کوہ میں مہتاب بکھیرے میں نے

لیکن اس سعی سے آخر مرا لہنا کیا تھا

یہ گلو گیر خموشی یہ چٹانیں یہ گدھ

پیک نور

ان کا پیمان وفا، ان کا خلوص نیت

صفت جوہر آئینہ ہے آپ اپنی دلیل

اور یہ شاہد گل چہرہ ضمانت اس کی

اس پری وش کی طرحداری ریعان شباب

صحن گلشن میں سہی سرو خراماں جیسے

ترے تاریک شبستان کو مہکائے گی

ترے رازوں کی امیں دلبرو دلدارو حسیں

شعلہ مآب

مجھے حاجت نہیں اس نکہت وضو پاشی کی

دل پر خوں نہیں پہلو میں جوالامکھ ہے

جس سے میں کسب ضیا کرتا ہوں

دیوتاؤں کی عنایات سے مستغنی ہوں

مرے خلاق تخیل کی فسوں کاری سے

خود مرے ذہن کا کاشانہ پری خانہ ہے

مرے منصوبے، مرے عزم، مری امیدیں

ہیں مرے گوشہ عزلت کے رفیق و دمساز

پیک زر

سوچ لو پھر کف افسوس نہ ملتے رہ جاؤ

کہ خداوندوں کے انعام کو ٹھکراتے ہو

التجائیں نہیں کرتے کبھی اورنگ نشیں

ان کے الطاف فراواں تو عطا کرتے ہیں

اور جو انکار کرے کور نصیبی اس کی

سوچ لو فیصلہ پھر بدلے بدل سکتا نہیں

صفحہ نمبر

زر داغ دل

تم کو ہے تحفہ کے لینے سے سرا سر انکار

شعلہء آب

دیوتاؤں کی کوئی شے کسی صورت میں بھی ہو
پیکر نغمہ کہ ناظورہء نیسان بہار
بے تکلف اسے ٹھکرا دوں گا
جاؤ !

صبحینہ

میں اس جگہ اک لحظہ بھی
اب کسی طور نہیں رک سکتی

ہیکِ نور

تمکو یہ خواب مبارک ہوں۔ ہیولوں کے طلسم
نا مُرادانہ خیالات کا سنسان دیار
کلفت دردِ نہاں، تلخیٔ اوہام و شکوک
نفحہء حسن کی بو باس سے بیگانہ حیات
لذت حرف و حکایات سے محروم ایام!

پیک نور

اپنے مینار کے مانند خموش و تنہا
سرد مضبوط چٹانوں کی صلابت کی طرح
کافرانہ متمکن ہے یہ مرد بے باک
جس کو اب حق کی مہابت ہی ہلا سکتی ہے
بطن ایتھر سے گزرتا ہوا مانند سناں
میں سوئے چرخ بریں بال فشاں جاتا ہوں
اے خوشا عید تماشا ، زہے طغیان نشاط !
یہ طراوت گل وغنچہ کی یہ امواج نسیم
یہ خلا تاب و سبک سیر شعاع خورشید
میرے ہی زیر تصرف ہے یہ اقلیم فضا
رات دن جس جگہ سرگرم سفر رہتا ہوں !

حاجب

کوئی دیوی ہے پری زاد کہ بنت مہتاب
یہ تری گل بدنی یہ تری گل پیرہنی
ہونٹ ہیرے کی کنی، سینہ ہے نیزے کی انی
تیری آواز میں ہے کیسا سرود دلکش
جس سے جذبات میں شعلے سے بھڑک اٹھے ہیں
قد رعنا پہ ترے سرو سہی ناز کرے
کیوں فضاؤں میں ہو آوارہ یہیں رہ جاؤ

صبحینہ
میں تو اک پیکر آب و گل ہوں

حاجب
تیری صورت میں ستاروں کی خنک تابی ہے
تیری کھوئی ہوئی آنکھوں میں طلسم سیال
کیف سرجوش مئے ناب ہے تقدیس جمال
ایک مدہوش لطافت ہے ترا سارا وجود
اور دل تیری نگاہوں کے کمینہ نخچیر
ہائے ان مدہ بھری آنکھوں کی یہ حیراں نگہی

صبحینہ

سب ترے حسن نظر کا پر تو
تو مرے حسن سے پہلی ہی نظر میں بے کل
صفت دانۂ اسپند ہوا
اور معلوم نہیں تجھ کو مرا نام و نسب

حاجب

میں تو پہچانتا ہوں صبح ازل سے تجھ کو
اور ویرانۂ ایام میں سر گرداں تھا
تیرے انوار گریزاں کو پکڑنے کے لئے
میری کاوش نے تجھے پا ہی لیا آخر کار
کتنی مدت سے میں آشفتہ تھا

صبحینہ

یہ مکاں کس قدر آسودہ وخوش منظر ہے
دے رہے ہیں در و دیوار سکوں کا پیغام

حاجب

سقف و بام تجھے کہتے ہیں اھلاً سہلاً
یہ شبستاں بھی ترا اس کا مکیں بھی دونوں

صبحینہ

جی میں آتا ہے یہیں عمر رواں کٹ جائے

کوئی جادو ہے کیا جس نے مجھے بے خود وست

حاجب

وہ فسوں جو تری آنکھوں میں ہیں خوابیدہ ناز
ان کی مستی ہی سے سرشار رہیں کاخ و ایوان
اے بت سحر فن! اے شاہدۂ شعلہ جمال؟
تیری زلفوں میں ہیں سرگشتہ غزالان خیال

صبحینہ

یہ دلاویزیِ منظر، یہ سواد دلکش
اسی فردوس میں تا عمر مجھے رہنے دو
آئنہ کار در و بام کی مینا کاری
کیا کسی گنج گرانمایہ کی ہے مخزن راز؟
دور کونہ میں جو افروزاں ہے
وہ طلا کار منقش صندوق
اس میں کیا تم نے چھپا رکھا ہے
دفن ہیں نیلم و الماس و گہر
یا نہاں اور کوئی قیمتی راز؟

حاجب

اس میں مدفون ہے کیا خود مجھے معلوم نہیں

صفیحہ ---

زر داغ دل

کبھی دیکھا نہیں سرپوش اٹھا کر تم نے؟

حاجب

اس سے مانع ہے مجھے ہاتف غیب
دیوتاؤں کے ہیں وہ راز مقفل اس میں
فانی آنکھوں سے رہیں گے جو ہمیشہ پنہاں
تم ان اسرار کے کیوں در پے ہو
دیوتاؤں نے رکھے مصلحتاً جو مخفی
جب وہ چاہیں گے اٹھا دیں گے نقاب
چھوڑو اس راز کو آؤ کہیں گلگشت کریں
ناز فرما کمر و کوہ میں ہے شاہد گل
اور نغمات سے لبریز ہے لحن بلبل
کیوں نہ ہم بھی غم الفت کے فسانے چھیڑیں
نشہ برساتی ہے مینا کی صدائے قلقل
اور متوالا بناتی ہے بہار سنبل
اسی مدھوش طرب ناک فضا میں ہم بھی
کیوں نہ پھر حسن و محبت کے ترانے چھیڑیں
ہم بھی گائیں، لب و رخسار بھی سرگوشی کریں
آؤ — رندانہ خرابات میں مے نوشی کریں

کیف و نکہت سے ہیں گلشن کی فضائیں معمور

صفحہ الٹیے

منفعل ہیں تری سج دھج سے گل و سرو و چنار
کس کا دل ہے کہ تجھے دیکھ کے بیتاب نہ ہو

شعلہ‌ء آب

(باہر سے)

حاجب راز! کہاں ہو بولو

حاجب

میرے بھائی نے پکارا مجھکو
ہائے بے درد کو کس وقت مری یاد آئی

صبحینہ

مجھے جانے دو کہیں مجھکو یہاں دیکھ نہ لے
اس کے نظارہ سے ہوتا ہے تکدر مجھ کو
(درختوں میں چھپ جاتی ہے)

شعلہ‌ء آب

(داخل ہوتے ہوئے)

کس سے تم محو تکلم تھے ابھی؟
کس کا سایہ تھا گریزاں پس اشجار ابھی؟

حاجب

میری خلوت کی امیں صبحینہ

صفحہ اناسی

زرداغ دل

رائگاں ہی گئے سب پند و نصائح میرے
حسن کے پردہ میں ہے یہ وہ فسوں کار بلا
جس کے کاٹے کا جہاں میں کوئی منتر ہی نہیں
اب بھی ہے وقت سنبھل جانے کا

حاجب

دیوتاؤں سے عقیدت ہو جنہیں
ان کے مہمانوں کی کیوں کر نہ وہ تکریم کریں

شعلہ آب

دیوتاؤں کا غضب ہو جن پر
پہلے ہوتے ہیں وہ احساس زیاں سے محروم

حاجب

ان کے تحفہ کو میں کیا ٹھکرادوں ؟

شعلہ آب

جب کوئی تحفہ بھی آئے ملاء اعلیٰ سے
پائے ہمت سے اسے ٹھکرادو

حاجب

کون ٹھکرائے بھلا ایسے حسیں تحفہ کو

صفحہ اسی

زر داغ دل

بنت حوا کی فسوں کاری ھے وہ شیشہ گری

جس میں الجھے تو نکلنا معلوم

غالیہ ساخم گیسو کی کمند مشکیں

آھوئے دل کے لئے حلقۂ فتراک بھی ھے

آؤ اٹھو مرے ہمراہ وھاں دور چلو

جس جگہ قاف کے مینار پہ ھے برف کا تاج

نوع انساں کے لئے میری تگاپو دیکھو

اس مشقت کو مسرت کا خزینہ سمجھو

تم بھی بن جاؤ زباں دان نجوم

کشتیاں کھیتے ھوئے رات کی تنہائی میں

ایک گنجینۂ اسرار ھیں سیارے بھی

تم بھی باتیں کرو تقدیر کے شہ کاروں سے

حسن فطرت کے نظر بازنگہداروں سے

حاجب

تم کو ورثہ میں ملا باپ کا زور و قوت

آیا حصہ میں مرے ماں کا گداز و شفقت

کس قدر فرق ھے ھم دونوں میں!

شعلہ آب

اپنے منصب کو پس پشت نہ ڈالو، اٹھو
صنف نازک کے خیالوں کو مٹادو دل سے
عیش کوشی سے، تن آسانی سے
دل ناداں کی غلامی سے — نکل کر دیکھو
کلہ ابر کی عظمت سر کہسار بلند
تیرے خوابیدہ ارادوں کو بلاتی ہے سن
تیرا قد بھی کلہ ابر کو چھوسکتا ہے

حاجب

آبشاروں کی پر اسرار، سبک رو لہریں
جنگلی پھولوں کی خوشبو سے گرا نبار ہوا
کسی انجان سمن پوش جزیرے کا پیام
دیدہ و دل کو سناتی ہیں بصد مستی وشوق

شعلہ آب

ان کے پیغام پہ لبیک کہو

حاجب

آپ کے سامنے اک طفلک ناداں ہوں میں
آج سے آپ کو پھر راہ نما مان لیا!

صفحہ بیاسی

زر داغ دل

صفحہ تیراسی

صبحینہ

میں یہاں موج صبا کی طرح آوارہ ہوں
اس شبستاں سے کہیں بڑھ کے بھی ایواں ہونگے
لطف یہ ہے کہ یہاں میری جہانگیری ہے
میری سطوت کا تسلط ہے ان ایوانوں پر
لیکن اس کمرہ میں کیا جادو ہے
درو دیوار مرصع ہیں چھتیں میناکار
اوراس کونہ میں وہ ایک منقش صندوق
اس میں کیا راز ہے کھلتا ہی نہیں
جی میں آتا ہے اسے کھول ہی لوں
لیکن احکام سروش غیبی!
کیا کروں قلب و نظر مضطر ہیں
کتنے چہرے در و دیوار کے آئینوں سے
غمگسارانہ مجھے تکتے ہیں
جی میں آتا تو ہے لیکن پھر بھی
کوئی رہ رہ کے مجھے روکتا ہے

زر داغ دل

آہ یہ راز کہ جو کھل نہ سکا

چلنے پھرنے سے مرے پاؤں میں ٹیس اٹھنے لگی

شوق واماندہ ہوا، چوٹ سی دل میں ابھری

سارے اعضائے بدن چور ہوئے

کیوں نہ دم بھر کو ذرا سستا لوں

تا کہ جب لوٹے دلارام مرا حاجب راز

تازہ دم ہو کے اسے نغموں سے بہلا بھی سکوں

(سو جاتی ہے)

(چونکتے ہوئے)

کسکی آواز نے خوابوں سے جگایا مجھ کو

دیر مت کر اڑے جاتے ہیں سنہری لمحے

گرچہ سر بند کیا ہاتف غیبی نے اسے

پر تجھے اس نے نہیں روکا ہے

لب کشائی میں زیاں بھی کیا ہے

جب کوئی دیکھنے والا ہی نہیں

اور خدا داد ہے یہ عالم تنہائی بھی

اور خداوند اگر دیکھتے ہیں

ان کے ہاتوں ہی نے تخلیق کیا

تیرے اس پیکر خیر و شر کو
اور پھر خود ہی اسے ذوق تجسس بخشا

(صندوق کے پاس جاتی ہے)

اب پس و پیش سے کیا حاصل ہے
زندگی، موت، غم و رنج و محن کچھ بھی ہو
دل بیتاب سے اب صبر نہیں ہو سکتا

(ڈھکنا اٹھاتی ہے صندوق سے ایک کثیف دھواں اٹھتا ہے اور کمرہ میں پھیل جاتا ہے صبحینہ بے ہوش ہو کر فرش پر گر پڑتی ہے۔ باہر بادوباراں کا طوفان)

صفحہ چھیاسی

زرداغ دل

صفحہ چھیاسی

حاجب راز

تھم گیا بارش آلام کا طوفان سہیب
لیکن اس کی یہ خرابی یہ ھلاکت خیزی
پھول حیراں ھیں، پراگندہ ہے بزم گلشن
اور سہمے ہوئے بیٹھے ھیں نگران چمن
ھر طرف ایک پر اسرار حزیں سناٹا
اس افق گیر تباھی کی خبر دیتا ہے

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے
دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا
ترکتازان حوادث کی جہاں
آج کل دعوت یغمائی ہے
اب تو آثار جہاں مٹنے کو ھیں
قہر مانوں سے کہو رحم کریں !

زر داغ دل

صبحینہ

(مکاں سے آتے ہوئے)

میری لغزش سے ہوا حسن خیاباں برباد

عندلیبوں کے نشیمن اجڑے

جل، بجھی شمع شبستان طرب

اور ویراں ہوا کاشانہ ٔ گل

میں کہ مجرم ہوں مرے حاجب راز

التفات نگہ ناز کے شایاں نہ رہی

حاجب

کیا کیا اے بت رعنا تو نے

صبحینہ

نہیں یارائے تکلم مجھ کو

حاجب

تری بکھری ہوئی زلفیں، ترا اڑتا ہوا رنگ

ہیں کس اندوہ نہاں کے غماز؟

کیوں مجھے ورطہ ٔ حیرت میں ڈبو رکھا ہے

واضح الفاظ میں کہ دو آخر

کس لئے بات کو الجھاتی ہو؟

صبحینہ

یہ ہلاکت یہ تباہی مری آوردہ ہے

مرے احساس تجسس نے تری حکم عدولی کر کے

فتنہ ٔ خفتہ کو بیدار کیا

ضبط جب ہو نہ سکا میں نے جسارت کر کے

راز سر بستہ کا منہ کھول دیا

حاجب

اور کیا مجھ کو تباہ و برباد!

صبحینہ

اپنی لغزش کی سزا چاہتی ہوں

میں نہیں عفوو اماں کی طالب

حاجب

اصل مجرم تو میں ہوں صبحینہ!

دیوتاؤں کا غضب مجھ پہ ہی نازل ہوگا

بے خیالی میں ترے حسن سے بیخود ہو کر

کردئے فاش وہ اسرار نہاں

صبح اول سے جو سر بستہ چلے آتے تھے

اپنے منصب کے بجالانے میں غفلت برتی

میں نے کیوں تجھ کو اکیلا چھوڑا

صبحینہ

جب چلے ہی گئے تھے کس لئے واپس آئے؟

بنتا اس کو کھ جلی سوختہ ساماں کے لئے

مژدۂ مرگ مفا جات ترا ھجر دوام

اور مجھ کو یہی تعزیر جنوں کافی تھی

قہر سانو ! مری ناعاقبت اندیشی نے

دین و دنیا میں کیا مجھکو ذلیل و رسوا

کتنا سنگیں ھے تجسس کا فریب

مری تقصیر کی دو مجھ کو سزا

حاجب

مجھ کو بھی

مرے جذبات محبت میں کوئی فرق نہیں

مرا احساس منور ھے ترے جلووں سے

تری لغزش بھی ھے اک حسن ادا

اس خطا سے تو بڑھی اور تری محبوبی

تری کمزوری تری سب سے بڑی قوت ھے

جذب الفت کو کیا جس نے ترحم آمیز

صبحینہ

مجھ کو درکار نہیں ترے ترحم کی زکاۃ

کہ یہ ذلت ھے مرے جذبۂ خودداری کی

عشق کی دولت سرمستی و رعنائی کو
ابلہانہ ہوس زیست کی خاطر کھودوں؟
مجھے چاہو مجھے بھینچو کہ محبت کی حلاوت خیزی
کرب سکرات کو آسان کردے

حاجب

کتنا دلکش ہے ترا حسن مری شاہدۂ شعلہ جمال
تو تو دیوی ہے

صبحینہ

میں اک عورت ہوں
موجزن جس کے رگ و پے میں ہے شیطان شریر
ناصبوری و بغاوت سے اٹھا جس کا خمیر
سرزنش اشک ندامت پہ کرے جسکا ضمیر
زندگی جس کی ہے مضمون خودی کی تفسیر
میرے سرتاج! مرے پیارے! مجھے مرنے دو
بزم آفاق میں میرے لئے کیا باقی ہے؟

حاجب

نکہت لالہ و گل، حسن، محبت، تدبیر!
جوش کردار سے ہر لحظ بدلتی تقدیر

نذر داغ دل

اپنے کا خوں کی سلگتی ہوئی خاکستر سے
آؤ مل جل کے کریں تازہ نشیمن تعمیر
اور پیشانئ ایام پہ پھر ثبت کریں
سعی پیہم کے نشان، عزم جواں کی تحریر
پھر سے کاشانۂ لالہ میں چراغاں کردیں
اور چھلکائیں بط شام و سحر سے تنویر
شوق تجدید سے صحرا کو گلستاں کردیں
ذوق تخلیق سے کرلیں نئی دنیا تعمیر
جذبۂ عشق سے سر گرمئ بازار حیات
تیرے جلووں سے سلامت یہ جہان دلگیر
بزم کہنہ کہ خدا ساز تھی برباد ہوئی
بزم نو کو کریں فردوس بریں کی تصویر

ھائے کیا کیف ھے اس لغزش مستانہ میں
جس کی مستی سے طبیعت میں نمو آتی ھے
لذت درد کا ممنون فروغ ادراک
اس سے ھی فطرت فن کار جلا پاتی ھے
اسی اندوہ میں پوشیدہ ھے انساں کا شرف
رونق بزم جہان رند خرا باتی ھے

عظمت آدم خاکی ھے سکون ورم میں
اس کی افتادگی تقدیر کو شرماتی ھے
ھوئے محبوب خدا عرض عبودیت سے
عرش سے حضرت انسان کو صدا آتی ھے

ھائے کیا کیف ھے اس لغزش مستانہ میں
جس کی مستی سے طبیعت میں نمو آتی ھے !
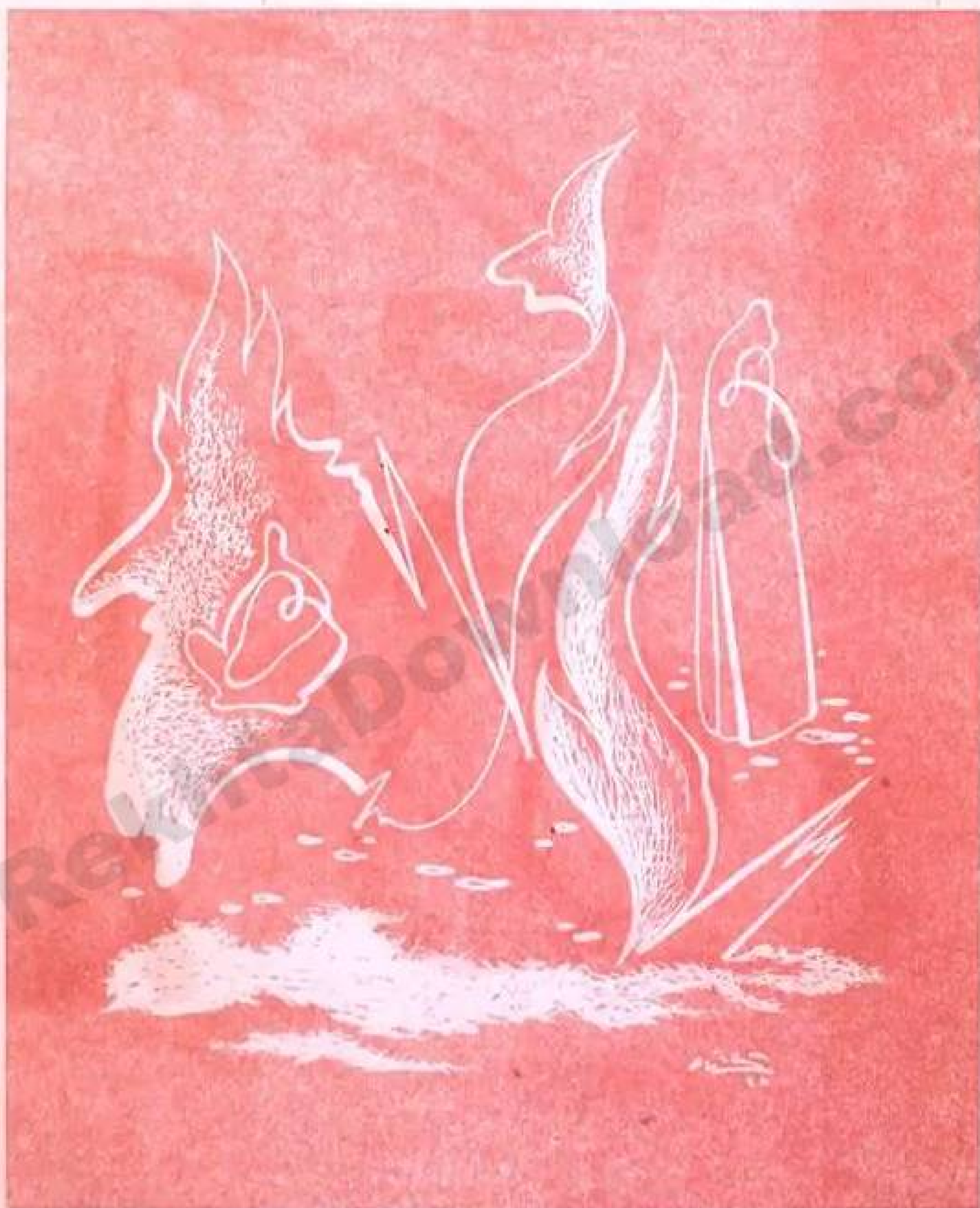
آتش گل

زر داغ دل

آتشِ گل

لیلیٰ

قیس

مہدی

صحیفہ ستانوے

ز داغ دل

قیس یہ مہر و ماہ، یہ انجم، یہ چرخ نیلی فام
یہ سوز و ساز طبیعی کے آتشیں اجرام
بلا کشان ازل کو طلسم گرداں ہیں
جہاں وہ بو قلموں سحر سامری کے اسیر
کبھی بہ فیض تمنا برائے نیل مرام
رواں دواں بہ قفائے بتان حشر خرام
مقام وراہ سے آگاہ و بے نیاز مقام
کشاں کشاں کبھی زناری زمان ومکاں
برہنہ، تشنہ، گرسنہ، ستوہ و سر گرداں
خرابہ سحر و شام میں جنوں جولاں
ستارہ وار ہمیشہ بھٹکتے رہتے ہیں
یہ آسماں، یہ بیاباں، انہیں خدائے جلیل
دیا جو بہرہ تب و تاب عشق سے تونے
انہوں نے لاد دیا مجھ پہ اپنا بار گراں
اٹھائے پھرتا ہوں میں تیری کائنات کا سوز

غریب شہر کے مانند سوختہ ساماں
ہجوم شوق کی یلغار اے معاذ اللہ!
یہ عاشقی بھی ہے کوئی بلائے بے درماں
دلِ فگار میں برپا ہے شور رستا خیز
اسیر سود و زیاں کو کہاں مجال گریز
قبائے شب پہ ستارے نہیں شرارے ہیں
جو دہیمی آنچ سے شب بھر سلگتے رہتے ہیں
نہ جلتے ہیں نہ بھڑکتے ہیں اور نہ بجھتے ہیں
خدا یگان جمال و خلاصۂ خوبی
کہاں ہیں نقش و نگار سواد محبوبی
کہاں ہے میرے ختن کا غزال مست خرام
انیس خلوت غم ہے نمود اختر شام
خراب و خستہ ہیں شہر طرب کے کوچہ و بام
مجھے جنوں سے ملا تحفۂ غم ایام!

قیس میں گھر پہ ٹھہرا مگر آگ بجھ گئی آخر
ہمارے گھر سے ہوا، میہمان، ہمسائے
اٹھا کے لے گئے انبار ہیزم و خاشاک

مہدی میں دیکھتا ہوں ذرا ٹھہرو قیس
(آواز دیتا ہے) لیلیٰ!

لیلیٰ (خیمہ سے) جی!

مہدی تمہارے بھائی کو تیرہ شب زمستاں میں
ضرورت آن پڑی چوب خشک صحرا کی

لیلیٰ میں اپنے بھائی کو خوش آمدید کہتی ہوں

قیس میں بنت عم کی اس الفت کی قدر کرتا ہوں

خدا کرے یہ ہمیشہ فروغ گیر رہے

لیلیٰ (خادمہ سے

اٹھو اٹھو اور ابھی جا کے لکڑیاں لاؤ

(خادمہ کے ساتھ چلی جاتی ہے

مہدی بھی اس اثنا میں جا چکتا ہے)

قیس وہ آگ لینے گئی ہے درون خیمہ سے

اس آگ میں ہیں سب انداز برق سینائی

متاع آگہی جس کو کہیں اثاث البیت

جنوں کے ہاتھ سے ہے کب کا خوان یغمائی

سکوں کا حوصلہ و طاقت شکیبائی

تو نذر آتش حرماں ہیں ایک مدت سے

وہ ایک شعلۂ جوالہ جس کی حدت سے

مرے حواس جلے اور شباب راکھ ہوئے

مگر یہ آگ کی تقریب تو بہانہ ہے

دل ستم زدۂ ہجر نے بہ عیاری

جو حسن یار کے دیدار کو تراشا ہے

وہ بے نیاز یہ الجھے سے راز کیا جانے

جو مست ناز ہو کیف نیاز کیا جانے

(لیلیٰ واپس آتی ہے)

لیلیٰ یہ لمحہ زندگیٔ جاوداں سے بہتر ہے

قیس تمہارے دلمیں بھی الفت کا شعلہ مضطر ہے

لیلیٰ
یہ اپنے جیب و گریباں کے چاک سے پوچھو
جو میرے دل پہ گزرتی ہے میں ہی جانتی ہوں
فسانہ زا ہیں مری بے زبانیاں کیا کیا
نگاہ کہتی ہے دل کی کہانیاں کیا کیا

قیس
امین راز ہے درد نہاں کی دل سوزی
اگرچہ حاصل غم کچھ نہیں بجز نالہ
بہائے جنس تمنا ہے نقد آہ و فغاں
چراغ عشق میں جلتا ہے نفت قلب وجگر
مگر یہ رنج گراں کب زمانہ ساز ہوا
یہ التہاب تمنا مجھے جلا دے گا

کہاں ہے رخصت اظہار و اذن نظارہ؟
ہوں اک زمانہ سے مہجور منزل مقصود؟
کبھی اٹھیں گے حجابات شاہد ومشہود؟
مجھے بتا تو سہی کیا کروں کہاں جاؤں
کہاں پہ تشنگیٔ سوز و ساز بجھتی ہے؟
کہاں پہ ہوتی ہے چاک جگر کی بخیہ گری؟
کہاں پہ سوز دروں سے فراغ ملتا ہے؟

لیلیٰ میں پوچھتی ہوں کہ ریگ رواں میں سحر ہے کیا
جو تم کو باد بیاباں سے یوں لگاؤ ہے
تمہارے شعر میں ذکر رم غزال ہے کیوں
یہ کس کا راز ہے جو مجھ سے یوں چھپاتے ہو؟
حریم ریگ رواں میں کسے بلاتے ہو؟

قیس جمال ریگ بیاباں تمہارے قدموں سے
غزال دشت کی شوخی تمہاری آنکھوں سے
یہی ہے وجہ جو میں بے قرار رہتا ہوں

(آگ کے شعلے قیس کے دامن
کو چھو رہے ہیں)

لیلیٰ (سرا سیمه هو کر)

یه خوفناک نظارہ! ذرا ادھر دیکھو

قیس (اپنی دھن میں)

سحر کے پردوں میں تم کو تلاش کرتا رہا

تمہارے جلووں کی رنگینیوں پہ مرتا رہا

نسیم مشک فشاں میں تمہاری خوشبو تھی

لب صبا پہ تمہاری حکایتیں تھیں رواں

غزال دشت کی آنکھوں میں بارہا دیکھی

وہ دلنواز چمک جو تمہاری آنکھوں سے

انہوں نے آنکھ بچا کر کہیں چرالی ہے

اسی چمک میں ہے وہ اذن خود فراموشی

جو مجھ پہ کاف کشش بن کے چھائے جاتا ہے

لیلیٰ یہ آگ تم کو جلادیگی، پھینک دو لکڑی

قیس اسی جنوں کی بدولت ہوئی یہ دارو گیر

کہ ہو گئی ہے بیاباں کی خاک دامنگیر

بنی ہوائے مغیلاں بھی حلقهٔ زنجیر

صفحہ ایکسو تین

زر داغ دل

اسی جنوں نے یہ سوز دوام بخشا ہے
یہ باغبانیٔ صحرا کا کام بخشا ہے

لیلیٰ یہ انتہائے جنوں ہے جنوں سے بھی زاید
تمہیں تو بس کوئی احساس ہی نہیں شاید
یہ دیکھو آگ نے ہاتھوں کو سب جھلس ڈالا

قیس یہ آگ جس سے مرا سارا جسم جلتا ہے
رواں دواں ہے یہ بجلی سی جو رگ و پے میں
تمہارے ہاتھوں نے لیلیٰ تمہاری آنکھوں نے
تمہارے حسن فروزاں نے ہی لگائی ہے
مرا تمام نشیمن ہی جل چکا جس وقت
کسی نے زلف شکن درشکن کو لہرایا
سمند ناز کے جولاں سے ہو چکا برباد
تو ان کو سبزۂ پامال کا خیال آیا
جلا کے ذوق تماشا کو آتش رخ سے
چمن میں شاہد گل نے جلوس فرمایا!

(بیہوشی میں لڑکھڑاتا ہے۔
لیلیٰ بڑھ کر اسے تھامتی ہے!)

قیس یہ آسمان و زمیں، بےسہاروں کی تسکیں
کسی شہید وفا کو اماں ملی تو یہیں
ہیں میری پلکوں میں سائے گھنے کھنیریسے
یہاں پہ گھومتا پھرتا ہوں منہ اندھیرے سے
مری حیات سراپا طلسم بیداری
مجھے سپرد ہوئی دشت کی نگہداری
نصیب ہے سفر اپنا، سفر نصیب میں ہے
ٹھکانہ اپنا یہیں منزل حبیب میں ہے
نشاط نغمہ و رنگ بہار تھی لیلیٰ
لطافت چمن روزگار تھی لیلیٰ
کہاں پہ چھپ گیا سنگ مزار لیلیٰ کا
ہوا میں اڑتا ہے شاید غبار لیلیٰ کا
یہ دشت وراغ، یہ کہسار کتنے سنگیں ہیں
یہ ابر پارے کسی کے لہو سے رنگیں ہیں
میں اپنی گم شدہ لیلیٰ سے جا ملوں گا آج

اسی مقام پہ اپنا وصال ہوگا

آواز — قیس !

قیس — یہاں پہ دشت میں آواز ہے یہ کس کی ؟

آواز — قیس !

قیس — یہ کون ؟

آواز — قیس !

قیس — مجھے قبر نے پکارا ؟

آواز — قیس !

قیس — مجھے لحد سے پکارا ہے میری لیلیٰ نے
شگفت غنچۂ دل کی نوید آپہنچی
دیار دوست کی گلگشت لالہ ساماں ہے

فراق یار کی گھڑیاں خدا خدا کر کے
دوام وصل کی لذت سے ہمکنار ہوئیں
وہ سامنے مری لیلیٰ جمال آرا ہے
سریر گل پہ عروس بہار
(چٹان سے کود کر ہلاک ہوجاتا ہے)

آوازیں — لیلیٰ! قیس!
ہمارے ناموں سے صحرا کی وسعتیں گونجیں
نگاہ اہل جہاں پردۂ غیاب و خفا
ہم اب بھی وسعت آفاق میں خراماں ہیں
ہم اب بھی حسن گل ولالہ سے نمایاں ہیں
خدا نے زندگی بخشی ہے زندگی سے سوا!
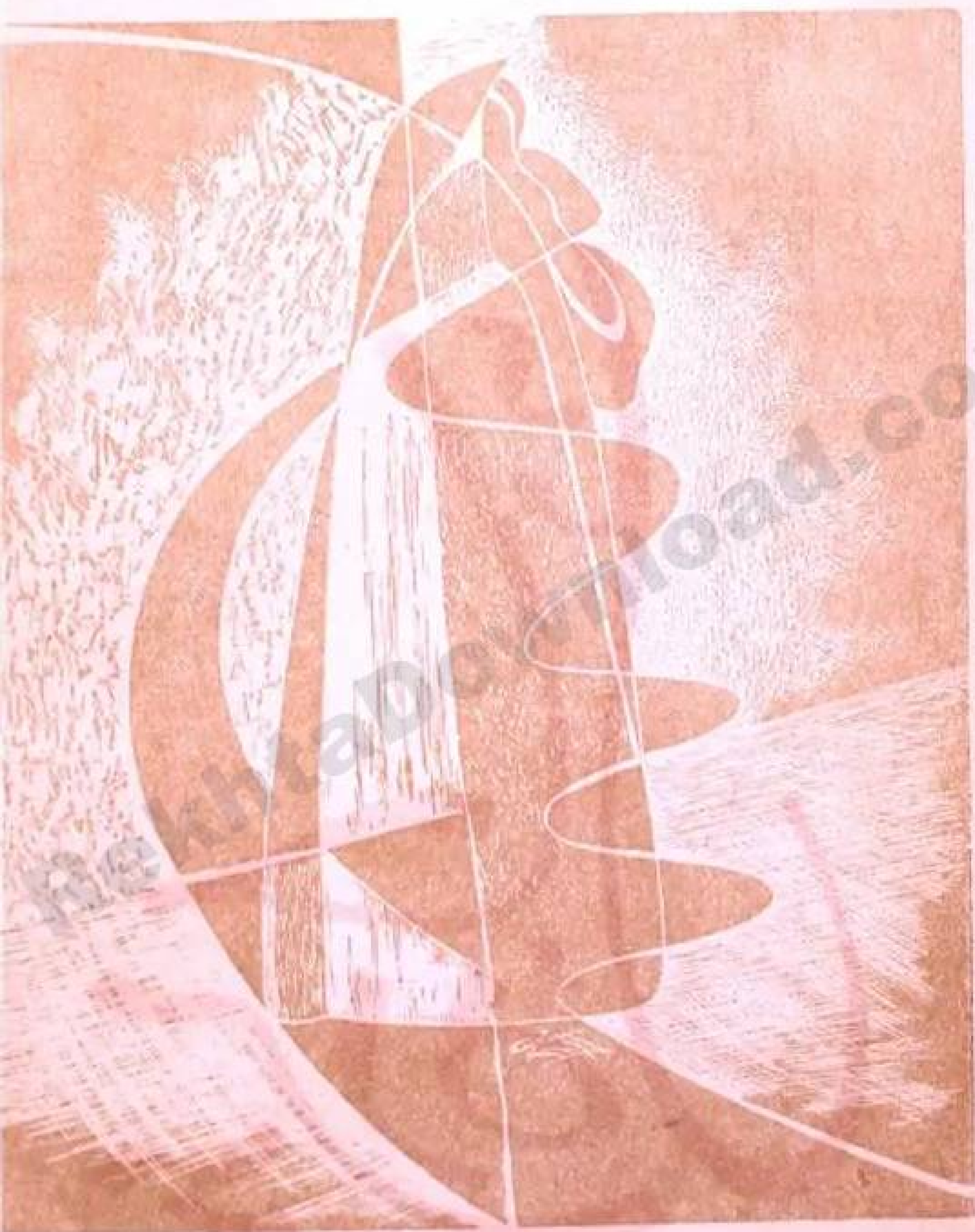
زر داغ دل

پردۂ حائل

نازاد

نومرد

فرشتہ

(چٹانوں کے درمیان ایک سر سبز و
شاداب جگہ ۔ دائیں بائیں آنے کا
راستہ ۔ وسط میں ایک فرشتہ
بیٹھا ہوا ہے)

فرشتہ کبھی طرب کا مسرت کا وقت ہوتا ہے
کبھی خموشی و اندیشہ و تامل کا
نفوذ کرتا ہے جب دل میں جذب استغراق
یہاں پہ ایسے ہی لمحات کا بیاں ہوگا
کہ جس سے پوری طرح آپ پر عیاں ہوگا
حیات و موت کی حکمت کا راز سر بستہ

(اٹھ کر بائیں جانب دیکھتا ہے
دائیں سمت سے نازاد اس طرح راستہ
ٹٹولتی ہوئی آتی ہے جیسے کوئی
کسی تاریک کمرے میں بھٹکتا پھر
رہا ہو۔فرشتہ اس کو پہچان کر پلٹتا ہے۔)

نا زاد

سحاب پاروں میں کب سے بھٹکتی پھرتی ہوں
کوئی چراغ کوئی روشنی کی ہلکی کرن
کہاں چلی گئی میری نگاہ کی تنویر
ضیائے صبح درخشاں بکھیر دے کوئی
کہ آنکھ پر ہوں عیاں راہ کے نشیب وفراز
میں چونکہ حجلۂ جنت سے تازہ وارد ہوں
فضا کی تیرگی سے مجھ پہ خوف طاری ہے
قیام یک دو نفس سے یہاں پہ ممکن ہے
کہ تیرگی میں آجائے کی دودھیا لہریں
مری نگاہ کو نور سحر عطا کردیں
کہاں سے مجھ کو یہ مدھم سی لو دکھائی دی
یہ کوہسار کی چوٹی ہے اور یہ درہ!
مرا خیال ہے دنیائے آدم خاکی
مدھر رسیلا چمن زار، شہر نقش و نگار
وہ جلوہ گاہ یہاں سے قریب ہی ہوگی
میں آج شام کو شاید وہاں پہنچ جاؤں
مری نظر متحمل بھی ہوسکے گی مگر
وہاں کے پھیلتے بڑھتے سمٹتے جلووں کی
حسیں نظارے وہاں تو دمن دمن ہوں گے

فضا میں ہر طرف آباد ہوں گے میخانے
غروب شام کا منظر، کنارا دریا کا
پگھلتے سونے کی رقصندہ قرمزی کرنیں
ردائے آب پہ رخشاں شرارتاروں کے
صباحتوں میں ملاحت کی شوخیاں پنہاں
وہ مہوشوں کا حسین کارواں کہ موج نسیم
وہ گلرخوں کا جواں قافلہ کہ سیل شمیم
میں ایک بار پھر اس سرزمیں کو جاتی ہوں
اب اس رو پہلے نگر میں نہ جانے کیا ہوگا
خدا کرے کہ کوئی مجھکو راہ بتلا دے!

فرشتہ زمیں یہاں سے اب اک روز کی مسافت ہے

ناز اد یہ کون، کوئی فرشتہ؟

فرشتہ درست سمجھی ہو

ناز اد میں تم کو ہدیۂ تبریک پیش کرتی ہوں
مجھے تلاش ہے دنیا کی کاش تم ہی ذرا

رفیق و بدرقہ و دستگیر بن جاؤ!

فرشتہ
ستیز گاہ جہاں کی طلب ہے دوبارہ!
نعیم خلد میں راحت نہ مل سکی تم کو؟

ناز اد
میں اک پیالہ لبا لب شراب عشق سے ہوں
بھرا ہوا ہے محبت سے ساتگیں میرا
میں چاہتی ہوں کسی کو حریف سے کرلوں
دل و جگر میں کسک سی ہے ناصبوری کی
شراب شوق کی اعجاز آفرینی سے
جہان پیر پہ شاید شباب آجائے
ابھی سنا ہے وہاں غم کا دور دورہ ہے
ابھی نوید بہاراں وہاں نہیں آئی
بتاؤ! کونسے جادہ کو اختیار کروں؟
یہ بھی سنا ہے کہ روحیں زمیں کی قربت سے
فسردہ ہو کے ارم ہی کو لوٹ آتی ہیں
مگر میں ایسی نہیں جو حواس کھو بیٹھوں
ہے بیقرار مرے دل میں لذت تخلیق۔

فرشتہ
دکھائی دیتے ہیں یاں سے تمام سیارے

نازاد کہاں؟ یہاں توستاروں کی آگ ہے ہرسمت
فضا میں ایک چکا چوند ہے چراغاں ہے۔
وہ دور ایک بھبکتا ہوا شراریں کنڈ
کہیں وہی تو زمیں کی شعاع نور نہیں

فرشتہ نہیں نہیں وہ تو ہے ایک بے ضیا کرہ
نشان حلقۂ سیا رگاں میں اسکا کہاں
سراغ دوں تمہیں اس کا؟ وہ اس طرف دیکھو
وہ کہکشاں سے ذرا ہٹ کے بائیں ہاتھ کی سمت

نازاد مگر وہاں تو گھٹا ٹوپ سا اندھیرا ہے

فرشتہ دوبارہ دیکھو!

نازاد لپکتا ہوا سا اک شعلہ
کبھی کبھی چمک اٹھتا ہے جو دھندلکوں میں
یہی ہے آدم خاکی کا ملجا و ماوی؟

فرشتہ نہیں۔ وہ نور تو ہے مہر عالم آرا کا

نازاد اس آفتاب کے نزدیک کرے رقصاں ھیں
زمین بھی انہیں کروں میں ایک کرہ ہے ؟

فرشتہ دکھائی دیتا ھے تم کو وہ تیسرا کرہ

نازاد کہو!

فرشتہ وھی ہے وھی ہے جہان تیرہ و تار
اسی حقیر سی دنیا کی جستجو ھے تمہیں!
فراغ خاطر عاطر کی آرزو ھے تمہیں
وھاں سکوں بھی ھے الفت کی تند صہبا بھی
مگر ھجوم بلا کو سہوگی تم کیوں کر؟
وھاں تو ھر گھڑی رھتی ھے یورش آلام
ھزاروں رنگ بدلتی ھے گردش ایام

نازاد بتاسکو گے مجھے راز خلقت انساں

فرشتہ یہ ایک خواب ھے سیمیں، سبک سبک، شیریں
کہ جس کے نشہ سے بیدار ھو کے قلب و نظر

غم حقائق سنگیں میں ڈوب جاتے ہیں
نئی امنگیں نئی خواہشیں نئے ارماں
نشاط زندگی و کلفت حیات رواں
کہ لادوا ہے غم فوت فرصت دوراں

نازاد
مجھے یقیں ہے کبھی میرے سوزِ پنہاں کی
شعاع بجھ نہ سکے گی، مری حیات تمام
فروغ عشق سے گرم و جواں رہے گی مدام

فرشتہ
اسی یقیں سے سب آزادگاں روانہ ہوئے
مگر یہ عزم جہاں میں شکست ہو کے رہا
تم اس شعاع کو تابندہ رکھ سکو شاید
مگر یہ بھول لو نہیں انتقال روح کے بعد
دل و دماغ کی وسعت سمٹ سی جاتی ہے

نازاد
بتاؤ اور بھی تفصیل سے

فرشتہ
ذرا ٹھہرو
ابھی ہے مرحلہ اک اور بھی مجھے درپیش

نازاد   وہ کیا ہے ؟

فرشتہ   میں نگراں ہوں اک ایسی عورت کا

جو تھوڑی دیر ہوئی چل بسی ہے دنیا سے

یہ اس سبب سے کہ جب ظاہری لبادے کو

اُتار دیتے ہیں انساں تو ان کی روحیں پھر

بہشت میں اسی رستہ سے لائی جاتی ہیں

اک اور جامہ بھی ہوتا ہے خود ستائی کا

خیال و فکر کی جس کو کہیں قبائے صفات

حیا کت اندیشہ کا تا رو پود حسیں

یہ تانے بانے انہیں گو نظر نہیں آتے

پر ایک پردۂ حائل کا روپ دھارے ہوئے

حجاب بن کے انہیں آن سے چھین لیتے ہیں

پر التہاب لپکتے ہوئے سے شعلے کو

غروب کرتے ہیں جیسے دھوئیں کے سرغوے

اگرچہ ناخن تدبیر سے یہ بند نقاب

مثال عقدۂ الغاز کھل تو جاتے ہیں

مگر ہمیشہ بعد از خرابئی بسیار

میرا یہ کام ہے جب یاں سے وہ گزرنے لگیں

تو اپنے ہمدم ارضی کو اذن رخصت دیں
تمہاری طرح حجابات کو جدا کر کے
نعیم خلد میں مستانہ وار داخل ہوں
دبیز پردوں سے میلے کثیف جالوں سے
تمام تازگیٔ روح بجھ سی جاتی ہے
فضائے پاک و منزہ میں ان کو بار کہاں

نازاد میں ایک بات کہوں

فرشتہ شوق سے

نازاد ابھی میں نے
جو تم سے سوز محبت کی گفتگو کی تھی
نہ تھی وہ جذبۂ برخود غلط کی پروردہ
اک اتفاق سے موقع نکل ہی آیا ہے
کہ اپنے قول کی صحت جتاسکوں تم کو
تم اپنا کام مجھے سونپ دو گھڑی بھر کو

فرشتہ یہ کام دیکھنے میں سہل ہے پہ ہے مشکل

ناراد مجھے تو یہ بہت آسان دکھائی دیتا ہے
یہی تو کہنا ہے اس سے کہ اس نقاب کو وہ
اُتار کر وہی پہلی سی روح بن جائے

فرشتہ یونہی سہی۔ اسے دیکھو! وہ آرہی ہے یہاں
اسیر سود و زیاں ہے ابھی خیال اس کا
ابھی وہ پوری طرح ہوشیار بھی تو نہیں
ابھی نگاہ میں ہے امتزاج ظلمت و نور

(نومرد داخل ہوتی ہے وہ ایک لبادہ
اوڑھے ہوئے ہے جس پر آڑے ترچھے
خطوط اور دھاریاں ہیں)

نومرد یہاں پہ چھوڑ گئے مجھکو بے کس و تنہا
اگرچہ آج مرا درد ہے قرار آگیں
قیاس ہے کہ میں اب صاحب فراش نہیں
مجھے کچھ اس طرح محسوس ہو رہا ہے کہ میں
قدم قدم کہیں اوپر کو اُڑتی جاتی ہوں
بلندیاں ہیں پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرح

یہ تھوڑی دیر تو سستانا چاہئیے آخر

(بیٹھ جاتی ہے)

فرشتہ ابھی حیات کہن کا حجاب باقی ہے

نومرد ابھی تو مجھ میں رمق زندگی کی باقی ہے
میں ایک بات بتانا تو تمکو بھول گئی
مری بہن کا ہے کچھ قرض میری گردن پر
مری طرف سے اسے جاکے اس قدر کہ دو
کہ پائی پائی ترے قرض کی چکادوں گی
کوئی جواب نہیں پھر میں سو گئی شاید!

فرشتہ یہ یاد عہد کہن جو اسے ستاتی ہے
قریب ہے کہ غریق فراموشی ہوگی

نومرد یہ میرا خواب ہے شاید یہ کوهسار بلند
یہ آفتاب جہاں تاب اور یہ ڈھلوان
یہ واهمہ هیں کہ سچ مچ پہاڑ سورج هیں
قریب آؤ بہن سے کہو کہ غم نہ کرے

دعا کرے کہ مرض سے مجھے شفا ہو نصیب

کہ اسکے قرض سے حاصل کروں سبکدوشی

غبار ابر میں روپوش ہو گئے پھر تم

مری نگاہ میں پردے سے جھلملاتے ہیں

مرے نحیف بدن سے کہ ہے تکان سے چور

اب اپنا کہنہ لبادہ بھی اٹھ نہیں سکتا

(بہت مشکل سے اٹھ کر کھڑی ہوتی ہے)

فرشتہ وہ اٹھ کھڑی ہوئی لو جاؤ اپنا کام کرو

(دائیں سمت سے چلا جاتا ہے)

نازاد بہن میں آئی ہوں آپکی اعانت کو

نومرد مجھے تمہاری اعانت کی احتیاج نہیں

مری غیور طبیعت کو ناگوار ہے یہ

ذرا بتا تو سہی کون ہے تو دوست مری

نازاد ہوں ایک روح ابھی نادمیدہ نارستہ

نومرد عجیب بات ہے!

نازاد — دیکھو تمھارے پاس ہوں میں !

نومرد — بغیر جسم کے یہ روح کیسے ممکن ہے
رباب و زخمہ نہ ہوں تو نوا کہاں ہوگی

نومرد — تمھاری بات کو کرلوں میں کسطرح باور
مگر کہو مرے جانے میں کون مانع ہے

نازاد — پہ تم تو مر بھی چکیں

نومرد — مرچکی، یہی ہے فنا
تو اھل دھر یونہی سہمناک رہتے ہیں
یہی وہ سرِنہاں ہے جو آن پہ کھل نہ سکا

نازاد — یہ بات ہے ! مگر ان کے جہانِ رنگیں پر
مجھے فسانہ و افسوں کا شبہ ہوتا ہے

نومرد — تو ان چٹانوں کو میں گوشۂ جناں سمجھوں

نازاد مقام خلد بہت دور ہے یہاں سے ابھی

نومرد مگر یہ راہ تو خلد بریں کو جائے گی؟

نازاد اسی نقاب اسی ہیئت و شباہت میں
تو چاہتی ہے تجھے زندگی عطا کردیں

نومرد تو اور کیسے؟

نازاد تمہارے بہت سے پہلے قویٰ
مقام خلد بریں میں ہیں سربسر بیکار
وہ ایک شاخ ہیں بے رس، فسردہ، پژمردہ

نومرد اگر میں واقعی مردہ ہوں تو یہ مطلب ہے
مرے تمام مناصب، مرے تمام اعزاز
جو دھر میں مجھے حاصل تھے چھن گئے مجھسے
مزید تم یہ بتاتی ہو کنج جنت میں
میں اپنے علم وفراست کو، فکروحکمت کو
جہاں میں جو مرا سرمایۂ فضیلت تھ

تمہارے جھانسہ میں آکے صلائے رخصت دوں
نہیں نہیں! میں یونہی جاؤں گی یونہی سن لو

نازاد مگر یہ پردۂ حائل تو پھینکنا ہوگا!

نومرد یہ؟ میری زیست کا حاصل یہی نقاب تو ہے
بنا ہے محنت شاقہ سے تار تار اس کا
یہ دیکھو اس کے منور نقوش کی جھلمل
یہ دھاریاں یہ لکیریں ہیں خوشنما کتنی
وہاں جہاں میں تو اس کی کوئی نظیر نہ تھی
یہی تو ہیں مری عظمت کے شوخ آئینے

نازاد یہ خوشنما ہی سہی پر فراز جنت میں
تم اس نقاب کو لے کر نہ جاسکوگی کبھی

نومرد تمہاری بات پہ کس طرح اعتبار کروں
سوائے اس کے مرے پاس اور شے کیا ہے

نازاد فقط لباس ہی تو ہے

صفحہ ایک سو ستائیس

زرداغ دل

نومرد فقط لباس نہیں،

یہی ہے میرے تشخص کی انفرادیت

یہ جامہ ہے مری ہستی کا جزولاینفک

مری فسردہ دلی ، مری آرزو مندی

مری حیات تمنا تمام اس میں ہے

اسی سے بن کے اُبھرتا ہے رنگ شخصیت

اسے اُتار کے میں ناتوان و ناکارہ

تڑپتی رینگتی مخلوق بن کے صبح ومسا

بساط عالم پر ایڑیاں رگڑتی رہوں

یہ سخت شرط گوارا نہیں مجھے -

نازاد یعنی ؟

نومرد یہی لباس تو کرتا ہے بزم میں ممتاز

اسی کو پھینک دیا جائے تو قیامت تک

نہ ہوگا کوئی مرے حال زار کا پرساں

مجھے بھی کوئی خفائی سمجھ کے ہر کوئی

حقیر سمجھے گا خوارو ذلیل جانے گا

نازاد سب آدمی ہیں تہی جذبۂ اخوت سے؟

نومرد تو اتنی بات کا تم کو پتہ نہیں شاید
ابھی تم ان کے تمدن سے روشناس نہیں

نازاد عجیب بات ہے! یہ جنس بھی گراں ہے وہاں
وہ آشنا ہیں مگر لذت محبت سے؟

نومرد یہ اک ستارہ کی مانند ہے حجاب آگیں
جو جھانکتا ہے کبھی سرمئی خلاؤں سے

ناراد ستیزہ کار ہیں اب بھی زمین پر انساں؟
مرے خیال میں وہ عاجز آچکے ہوں گے

نومرد وہ مشت زر کے لئے، قطعۂ زمیں کیلئے
کبھی کسی بت نوخیز و نازنیں کے لئے
ہمیشہ رہتے ہیں وقف جدال و رہن ستیز

نازاد زمان امن میں پھر ان کا مشغلہ کیا ہے

نومرد مفاد و مصلحت و اقتدار کی خاطر
وہ جوڑ توڑ میں سر گرم کار رہتے ہیں

ناژاد مگر یہ بات ضروری ہے ارتقاء کے لئے
کہ دوست دوست صف آرا ہوں بالمقابل ہوں

نومرد پر ارتقا نہیں مرہون منت انساں
ظہور انفس و آفاق امر ربی ہے

ناژاد سرا خیال تھا انسان نیک طینت ہیں

نومرد غبار خاک کو نیکی کی کیا ضرورت ہے

ناژاد یہ کار گاہ عناصر کا بوالعجب شہکار
ازل سے سرمایہ دار روح پاک بھی ہے

نومرد حیات ان کی تو لہو و لعب میں کٹتی ہے
فروغ رقص شرر ہے نشاط کار ہوس
کہ چڑھ کے سر سے اترتا نہیں خمار ہوس

دیار عشق میں چلتا ہے کاروبار ہوس

نازاد یہی ہیں ان کی اضافی ودائمی اقدار
نکوہش اخیار و ستائش اشرار
تو یہ رباط کہن کس قدر بھیانک ہے
ارادہ رکھتی تھی جانے کالیکن اب تو مجھے
تمہاری باتوں سے آنے لگی ہے وحشت سی

نوسرد کوئی بہانہ ہو ان کو نفس درازی کا
سخن طرازی کا، اشتہار بازی کا
ابھی وہ واقف تاثیر سوز عشق نہیں
وہ اب تلک یہ سمجھتے ہیں زندگی یکسر
شقاوت و ستم و جور سے عبارت ہے
لطافتوں کی جہاں میں نہیں بسر اوقات
نجیب و سادہ ہو کوئی تو خوار ہوتا ہے
دنی طبیعت ہی کا مکار ہوتا ہے
وہاں تو بغض و تملق کا بول بالا ہے
اگر تمہیں بھی ہے خواہش وہاں پہنچنے کی
وہاں پہ رہنے کی اور بامراد ہونے کی

صفحہ ایکسوا کیس
زر داغ دل

تو اپنے سادہ خیالات کو بدل ڈالو
وہاں تو صرف وہی کامیاب ہوتے ہیں
مآل زیست سے جو بے نیاز رہتے ہیں
ہمیشہ مصروف ساز باز رہتے ہیں
شریر و شیطنت آئین و مفسدہ پرداز
اگر اسی روش عام پر چلیں تم بھی
تو زندگی نظر آئے گی زمزمہ بردوش
وگرنہ خائب و خاسر رہوگی لیل و نہار
یہی طریق ہے دنیا میں زندہ رہنے کا
کسی دکاں سے نہیں ملتی درد دل کی دوا
فقیر راہ نشیں کا یہی ہے برگ ونوا

نازاد میں سوچتی تھی محبت سکھاؤں گی ان کو

نومرد متاع مہر و محبت کا کون گاھک ہے!

نازاد یہی ہے وجہ کہ تم نے نقاب اوڑھا ہے

نومرد تمہاری عقل حقیقت کو پا گئی آخر۔

مجھے بتاؤ مرا راستہ کدھر کو ہے ؟

ناز اد تمہیں نقاب بہر حال پھینکنا ہوگا ۔

نومرد بہت شریر ہو تم، مجھ سے باتوں باتوں میں
نشیب ارض کی باتیں تو پوچھ لیں ساری
اور اب بتاتی نہیں مجھ کو رہگذر کا سراغ
میں اپنی حس کے سہارے ہی چل نکلتی ہوں
کہیں تو ہوگا ٹھکانہ کوئی، خدا حافظ !

(دائیں جانب چلنے لگتی ہے مگر
فرشتہ راستہ روک لیتا ہے)

فرشتہ کدھر کا رخ ہے ؟

نومرد مجھے خلد میں پہنچنا ہے ۔

فرشتہ غرور و کبر کی برخود غلط انانیت !
فراز جنت میں بار پا نہیں سکتی

نومرد نہیں ہے تم کو گوارا ہماری شخصیت؟

فرشتہ اسے تو اب اک خواب گریز پا سمجھو

نومرد مگر یہ عقل و بصیرت ؟

فرشتہ فراز جنت میں
قوائے مردہ کی احتیاج کیا

نومرد تو پھر

فرشتہ یہاں تو عشق مقدس کی حکمرانی ہے
اسی سے عقل و بصیرت کا کام لیتے ہیں

نومرد مگر یہ پردۂ حائل لباس ہے میرا
اسی سے زندہ و پائندہ ہے یقین خودی

فرشتہ آتار پھینکو اسے !

نومرد مجھ سے یہ نہیں ہوتا !

فرشتہ تو انتظار کرو عرش و فرش کے مابین

مرور وقت ھی تم کو عطا کرے گا شعور

نومرد میں انتظار کی زحمت نہیں اٹھا سکتی ۔

فرشتہ تو پھینک دو یہ لبادہ

نومرد یہ دل کا بیم ورجا ،

کشاکش غم ھستی سے یہ بھی کم تو نہیں

اتار پھینکوں؟ مگر جی کو ڈر سا لگتا ھے

اسے اتارنا ھی وقت کا تقاضا ھے ۔

اسے اتارتی ھوں میں

(لبادہ کو بدن سے جدا کر کے
پیچھے پھینک دیتی ھے اور اس
کے پاس نازاد کی طرح صرف
ایک سادہ لطیف لباس ھی
رہ جاتا ھے)

لو ھو گئی آزاد !

میں اس سے پہلے تو سنگین قید و بند میں تھی

فضامیں عیش فراواں کا نور لرزاں ہے
میں اپنی منزل مقصود پا گئی آخر

فرشتہ (نازاد کی طرف مڑتا ہے)

بہن تمہیں میں خدا کے سپرد کرتا ہوں
(فرشتہ اور نوسرد دائیں سمت
سے چلے ہیں نازاد کچھ دیر
تک ان کو جاتے ہوئے دیکھتی
رہتی ہے یہاں تک کہ وہ
نگاہوں سے اوجھل ہوجاتے ہیں
پھر وہ مڑتی ہے اور اچانک اس
کی نگاہ اس لبادہ پر پڑتی ہے)

نازاد ہے سنگلاخ مری راہ، کیسی مشکل ہے!
مرا مذاق اڑاتی تھی روح نوسردہ
وہ کہ رہی تھی کہ دنیامیں سادہ لوگوں کی
ہنسی اڑاتے ہیں سب اور وسادگی مشرب
خراب بادۂ آلام رہتے ہیں پیہم -
میں کیوں نہ اس کے لبادے کو اوڑھ لوں، میرا
بگڑتا کیا ہے، جہاں کے نشیب میں اس سے

شکوہ و جاہ و تجمل کی یاوری ہوگی

ستا رہی ہے ہوس مجھ کو سربلندی کی

مگر وجاہت وصولت میں ہرج بھی کیا ہے

اسے میں اوڑھ ہی لوں

(لبادہ اوڑھ لیتی ہے)

میں حقیر شے تو نہیں

کہ دہر میں مجھے ذلت کی زندگی ہو نصیب

مری ہی زندگی کیوں ہو زبون و درماندہ

کروں گی دہر میں سلطانی وجہا نبانی

مظاہرہ میں کروں کیوں نہ اپنی سطوت کا

ہو میرے نام کا دنیا میں غلغلہ برپا

رہوں جہاں میں اور حاصل جہاں نہ بنوں

نظر نواز و دلارام و جانستاں نہ بنوں

(بائیں جانب چلی جاتی ہے

دائیں جانب سے فرشتہ داخل

ہوتا ہے)

فرشتہ شکست کھا ہی گئی، وہ لبادہ غائب ہے

(دور دائیں سمت دیکھتے ہوئے)

جو اس کے دل میں ہے شعلہ وہ بجھ نہ جائے کہیں !

کہیں دیار تمنا کے قحط زاروں میں

وہ سوز عشق کی ننھی کرن نہ کھو بیٹھے !
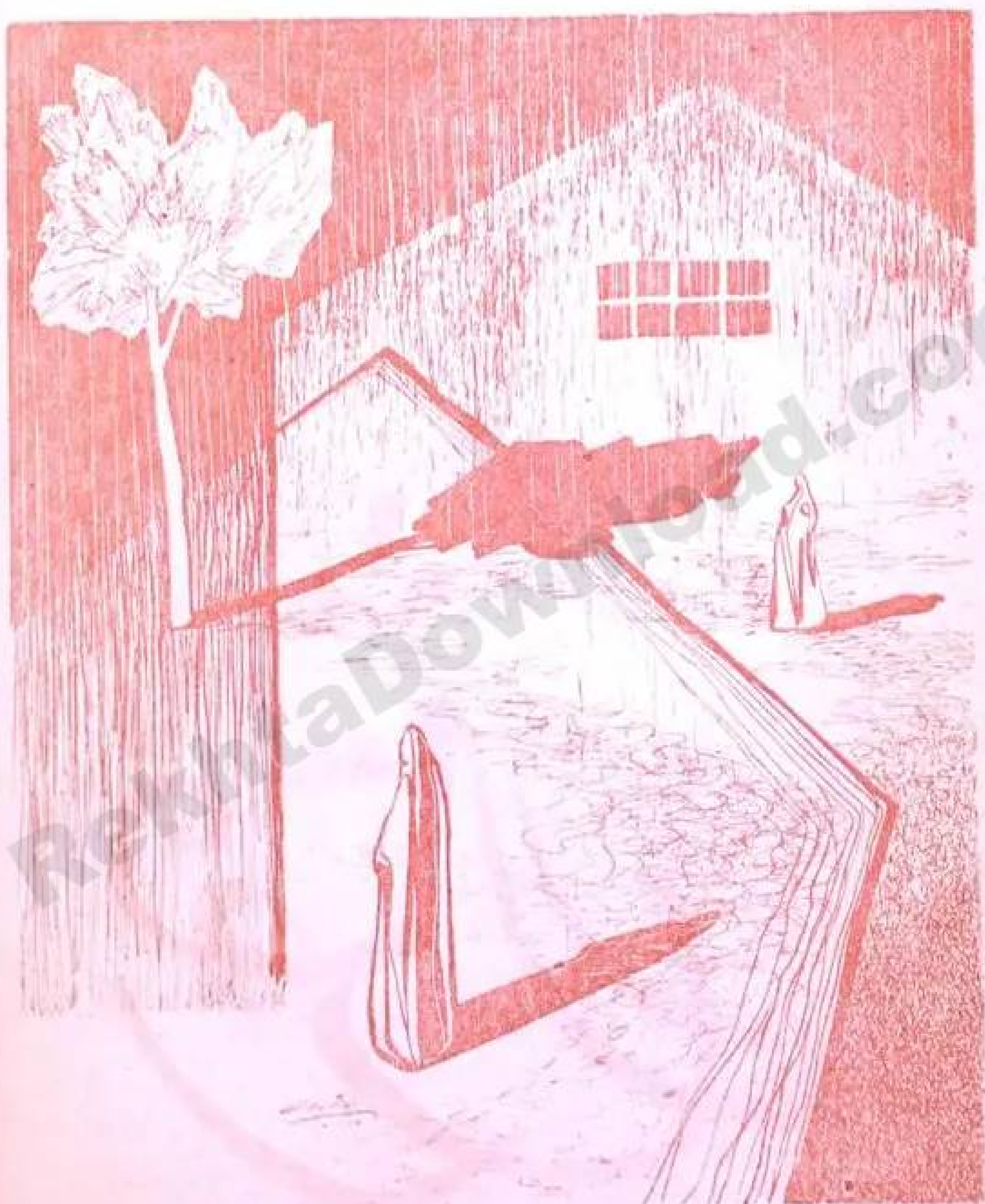
زر داغ دل

رقصِ شرر

انجم

شہاب

نغمہ

شہاب
مئے سرجوش سے لبریز ہے پیمانۂ شوق!
موج سرکش لب ساغر سے چھلک جانے کو ہے
آنکھ سے اشک فروخوردہ ڈھلک جانیکو ہے
سینہ افروز ہے کیفیت سہجوریٔ دل
دود پیچاں ہے حیات گزراں کا حاصل
رات دن رہتے ہیں آنکھوں کے دوآبے پرخوں
چارۂ غم بھی کرے گی کبھی چشم میگوں ؟
راہرو سے یونہی بیگانہ رہے گی منزل ؟
یونہی تڑپاتا رہے گا مجھے آشوب دروں
کیوں نہ نغمہ سے حدیث غم پنہاں کہ دوں

انجم
دل مشتاق کو پابند ادب رہنے دو
خوں رلائے نہ کہیں عرض تمنا ہم کو
ناز شیریں کو گوارا نہیں سرمستیٔ شوق
خون فرہاد جہاں رنگ حنا بنتا ہے

ارغواں قطرہٴ مژگاں کی حقیقت کیا ہے

شہاب تم پہ شاید مری وارفتگی آئینہ نہیں
ترے ہی فیض سے اے شمع شبستان بہار
دل پروانہ چراغاں، پر بلبل گلزار
مری انجم مری محبوبہٴ گل پیراہن
دل کہ کشتہ ہے ستم ہائے شکیبائی کا
اس کو اب حوصلہٴ ضبط نہیں ہے اصلا
یہ تماشا گہ عالم کی شہود آرائی
خوش صفیران گلستاں کی نوا پیرائی
آفرینش کی یہ مشاطگی گلشن گلشن
حسن فطرت کی یہ آشفتگی صحرا صحرا
جلوہ پردازیٴ وحشت ہی تو ہے تیرے بغیر
اسمیں شامل ہو نہ جبتک ترے ہونٹونکی نبات
جام تلخاب ہے میرے لئے صہبائے حیات
مرے جذبات کی رانی ہی اگر میری نہیں
تو یہ ہنگامہٴ کن دفتر بے معنی ہے
کب تک احساس پہ آداب کی تعزیر رہے
کب تلک ہم پس دیوار و سر تختہٴ گل

منعقد کرتے رہیں انجمن راز و نیاز
حد برداشت سے باہر ہے کشاکش غم کی
جگر آشوب ہے یہ کش مکش سوزو گداز
داستان دل پر خوں مجھے کہ لینے دو
اس بھری بزم میں کہنے دو کہ تم میری ہو
یہ گل ولالہ کو شرماتا ہوا پیکر نور
جس کے دم سے تروتازہ نفس ایمن وطور
نیم خوابیدہ نگاہوں کا خمار دو شیں
یہ سراپا کہ ہے اسرار خمستاں کا امیں
ساتگیں میرے ہیں صہبائے صفا میری ہے
میرے ہیں اخترومہ ، قوس قزح میری ہے

انجم لیکن اس نوبت و نقارہ کی حاجت کیا ہے
میرا پیمان محبت ہے ابھی رہن گمان ؟
مری کیفیت بسمل، مری شب بیداری
بخیۂ چاک گریباں میں یہ سوزن کاری
خس تمکیں کو بہاتا ہوا خوناب رواں
نامکمل ہے ابھی محضر اخلاص وفا ؟
صدق الفت ہے ابھی تیری نظر میں مشکوک ؟

صفحہ ایکسو پینتالیس
زر داغ دل

یا کہ مطلوب ہے اظہار سے تسکین نمود
جو ترے فخر و مباہات کو بالیدہ کرے
گونج اٹھے جس کے فسانوں سے حریم آدم
اور محبوبۂ پندار کی توقیر بڑھے
کیا مرا جسم مری روح و رواں تیرے نہیں
کہ ترے دل میں فروغ رخ روشن بن کر
خانماں سوز ہوئی ہے ہوس ملکیت
شوق معذور ہے پابند روایات ابھی
شعلۂ گل ہے گرفتار حجابات ابھی
کیسے پیدا ہو دل عشق میں ناموس وفا
کہ ہے لب تشنگئ حرف وحکایات ابھی
بال عنقا ہے مگر جنس محبت کی بہا
وقف آداب ہیں رندان خرابات ابھی
کیا تو نغمہ کو بتائے گا مجھے انجم سے
اس سے جو صاحب اورنگ کی بنت عم ہے
دعوئ عشق ہے مجھکو مری منصف ملکہ
میں جو ہوں تیری حکومت کا وزیر مختار
جس کے اعزاز میں ہے جشن چراغاں برپا
جس کی پرکار تدبر ہے محیط آفاق

جس اولوالعزم کی فرزانگی و ہمت کے
تیری اقلیم کیٔ کے درو دیوار گواہ
دے مجھے میرے شب و روز کی خدمت کا صلہ
مرے ایام کی ظلمت کو عدالت گستر
برق انجم کی تجلی سے منور کردے
دل کے ویرانہ کو خوشبو سے معطر کردے
تجھ پہ آئینہ نہیں حسن مکافات ابھی
کیسے ممکن ہے اس اقبال جنوں سے اعراض
موت ہے تاج سے اعلان بغاوت کی سزا
کبھی کرسکتی ہے وہ تیری جسارت کو معاف
اپنی عم زاد کو کیسے تجھے دے سکتی ہے
خود پرستاریٔ حوا سے تو نا محرم ہے
کون ہوتا ہے تب تاب میں عورت کا حریف
ما سوا کا متحمل نہیں عورت کا وجود
اس کو دنیا میں دکھائی نہیں دیتا کچھ بھی
جز عکس لب گلنار و خم کا کل و رخ
اپنے ہاتھوں سے مجھے تیرے حوالے کردے
تیری اس خام خیالی پہ ہنسی آتی ہے
وسعت قلب کی عورت سے توقع ہے عبث

دختر ناز فقط اپنے لئے جیتی ہے

تو نے نغمہ سے کہا تھا کہ میں تیری خاطر

جاہ و حشمت کی تمنا سے منزہ ہو کر

ترے جمہور کی بہبود میں ہوں سینہ سپر

مری خدمات کا انعام ہے خوشنودیٔ تاج

آج بیتاب ہے تو گدیۂ انجم کے لئے

جس کا کاشانہ ہوں مرمر کے حصار محکم

شیشۂ دل کی نزاکت کو بھلا کیا جانے

لرزش بیم و رجا، عشق کا احساس لطیف

جزر و مد بیخودی کا، نغمۂ جاں کا بم و زیر

لذت درد کو وہ مست غنا کیا جانے

تری انجم تجھے مل جائے یہ ناممکن ہے

اس تصور سے ابا کرتی ہے فطرت زن کی

کہ کوئی گوہر مقصود سے ہو ہم آغوش

نہ کہو نغمہ سے کیفیت ریعان شباب

مجھے کھو دوگے ہمیشہ کے لئے میرے شہاب

شہاب مری آنکھوں میں نشہ تیرے کم و کیف کا ہے

کہکشاں تاب و خرابات رخ و ماہ لقا

مجھکو جکڑے ہوئے ہیں ساعد سیمیں تیرے
خوشۂ تاکِ جنوں سلسلۂ زلف رسا
تیری خاطر ہی تو اصنام تراشے میں نے
ان کی توصیف میں شہکار قصیدے لکھے
تری یادوں سے مرے شام و سحر رنگیں تھے
مری تخئیل جواں، فکرو نظر رامش و رنگ
دست برداری کی تلقین ہے اب لا حاصل
نظر آتا ہے مسافر کو نشان منزل
کیا یہ خوش فہمی ہے نغمہ کو کہ میں نے اب تک
لعل و گوہر کے لئے، جاہ وتجمل کے لئے
کمر و کوہ کو رعنائی و دلسوزی دی
سوسن و سنبل و ریحاں کی حنا بندی کی
اس ریاضت سے کہ صحرا میں بہار اٹھلائی
اور پھر تازہ ہوئی رسم وفاداری کی
یوں سمجھتی ہے تو یہ نغمہ کی نادانی ہے
توہی تھی جان وفا، نقطۂ پرکار طلب
تری یادوں کے فسوں سلسلۂ تاک طرب
تھا تری سمت رواں قافلہ روز و شب کا
تری آنکھوں کے نشہ میں ہمہ تن کھوجاؤں

شعر و نغمہ کے شبستاں میں مگن سو جاؤں

عشق تھا دل میں چراغ تہ داماں اب تک
لیکن اب شعلہ' نم خوردہ بھڑک اٹھا ہے
پہلو میں محشر جذبات دھڑک اٹھا ہے
یہ شفق پوش تعطر میں نہائی ہوئی شام
یہ مناظر کہ ہیں دوشیزہ' فطرت کی قبا
جس سے چھن چھن کے جہانتاب کرن پھوٹی ہے
یہ کہستاں کہ انوار کے فیضان سے ہیں
ملتہب وادی' ایمن کی تجلی گاہیں
دل ہر ذرہ میں رقصاں ہیں مقدس اسرار
پتہ پتہ ہے خرابات ازل کا میخوار
کیوں نہ سرشار رہوں صہبائے ازل سے ہم بھی
تشنہ ہیں کام و دہن، بادہ رحیق اور کہن
مغبچے بادہ گساری کی صلا دیتے ہیں
جان جاں! غنچہ' دل کی گرہ وا ہونے کو ہے
میں تجھے ورد زباں کرتا ہوا جاتا ہوں
حضرت نغمہ میں کشکول گدائی لے کر
واثق امید ہے مجھ کو کہ تجھے پالوں گا

انجم تم ابھی نغمہ کے ماحول کو سمجھے ہی نہیں
شے مزجاۃ ہے سرمایۂ اشکِ گلگوں
دلِ خارا میں کہاں دردِ جگر کی لرزش
تاج و افسر تپش و سوز سے بیگانہ ہیں
لذتِ خلدِ بریں، کیفِ بہشتِ ارضی
معرضِ درد و جراحت کے نعیم گزراں
ایک افسانۂ بیہودہ و لا یعنی ہیں
مرے خورشید مری روح کے رخشندہ شہاب
کاش مل جائے تپِ برق کو آغوشِ سحاب

(شہاب انجم کو وہاں منتظر چھوڑ
کر اندر چلا جاتا ہے۔ اندر محفل
و رقص سرود برپا ہے)

نغمہ داخل ہوتی ہے

نغمہ کیا یہ سچ ہے، مری اچھی انجم

انجم ہاں! سلطانۂ عالم سچ ہے

نغمہ شکر ہے خالقِ جسم و جاں کا

کیا یہ سچ ہے جو سنا ہے میں نے
بولو بولو مری انجم بولو

انجم آپ کو اس کی صداقت میں تامل کیا ہے

نغمہ مرے احساس پہ طاری ہے تپ شادیٔ مرگ
کہ لب بام سے پھوٹی ہے محبت کی کرن
دل خوشی سے مرے پہلو میں سماتا ہی نہیں
غلط اندیش تھی کتنی مری مایوسیٔ شوق
دھک اٹھی ہے محبت کے چناروں میں آگ
زندگی روکش خورشید جہانتاب ہے آج

انجم میں ابھی آپ کے مطلب کو نہیں سمجھی ہوں

نغمہ رنگ و بو دل کے فسانوں میں محبت ہی سے ہے
جو ادب خوردۂ نازش نہیں وہ دل کیا ہے
اک دھڑکتا ہوا دل ہی تو ہے عورت کیا ہے
زندگی تلخ ہے آمیزش مستی کے بغیر
جو مئے و نغمہ کو اندوہ ربا کرتی ہے

گردش دھر کو مفھوم عطا کرتی ھے
خس و خاشاک زمانہ کے خزف ریزوں میں
زندگی جوف صدف، گوھر یک دانہ ھے عشق
تاج و اورنگ فقط معجزۂ مرمر و سنگ
عشق کے فیض سے پیدا دل مرمر میں گداز
آج تک میں نفس گل سے معطر نہ ھوئی
زندگی ظلمت حرماں میں بھٹکتی ھی رھی
کوئی آمادۂ اظہار تمنا نہ ھوا
مانع شوق تھے آداب تمکن شاید
رعب شاھی سے نگاھیں ادب آموز رھیں
کسی مژگاں پہ ستارے نہ لرزنے پائے
لوگ شاید یہ سمجھتے ھیں شبستان شہی
رسن و دار کے ھنگاموں کا گہوارہ ھے
اس میں رعنائی افکار کا دم گھٹتا ھے
میں ترستی ھی رھی عشق کی دل سوزی کو
دل دھڑکتا ھی رھا رات کی خاموشی میں
دست گلچیں کو ترستے رھے عارض کے گلاب
مے گساروں کو بلاتی رھی ھونٹوں کی شراب

لیکن ارباب تمنا متوجہ نہ ہوئے

وہ سمجھتے رہے عورت نہیں سلطانہ ہے

بشریت کے خدا داد تقاضوں سے بلند

نہ ہوا کوئی حریف مئے مرد افگن عشق

ناگہاں آج تب و تاب کے سوتے پھوٹے

جنبش باد سحر گہ سے خیاباں جاگے

لذت رم سے غزالان شبستاں جاگے

بندہ و خواجہ کی تفریق مٹا کر اس نے

والہانہ مرا ملبوس حریری پکڑا

اور کیا قصہ فرقت کو مرے گوش گذار

بید مجنوں کی طرح، موج صبا کے مانند

مجھے ڈر تھا ترے فتراک کا نخچیر ہے وہ

یہ گماں خوبی تقدیر سے باطل نکلا

آہ انجم وہ مری شمع کا پروانہ ہے

مرا بسمل ہے مرے جلووں کا دیوانہ ہے

انجم گوش والا کا کہیں نقص سماعت ہی نہ ہو

نغمہ سچ ہے یہ عرض تمنا سچ ہے

ھائے یہ راز کہ سینہ میں سماتا ھی نہیں
آبگینہ سے مئے تند اچھل جانے کو ھے
زلف سرمستی میں شانہ پہ بکھر جانے کو ھے

سالخوردہ ھی سہی دل تو جواں ھے میرا
کون کہتا ھے کہ شایان تمنا نہیں میں

میرا ھی عکس اسے تجھ میں نظر آیا تھا
تیرے پردہ میں وہ دراصل مرا جویا تھا

تجھے مل جائیں گے دنیا میں کئی اور شہاب
ھوچکا وہ مرا اب اس کو بھلادو انجم

عورتیں حسن مشاہیر پہ مٹ جاتی ھیں
ان کو مسحور بنادیتے ھیں ابطال عظیم

مبدأ فیض نے بخشا دل اصنام پرست
جو کہ جھک جاتا ھے ھر سرو رواں کے آگے

کب سے سونا تھا مرے دل کا صنم خانۂ عشق
فیض خمار سے محروم تھا خم خانۂ عشق

میں پرستار ھوں اس کی وہ مرا دل دادہ

حاصل عمر ھے یہ گنج گراں مایۂ دل
جس پہ ھر لحظہ رھے گا غم جاں کا پہرہ
مرے سینہ میں سما کر مرا دل بن جاؤ

تم بھی میری طرح اس آتش غم میں پگھلو
مجھ سے تم میری ہوا خواہی میں نفرت نہ کرو
گلخن عشق میں میں بھی جلوں اور تم بھی جلو

اک نئے سال کا آغاز ہے جشن نو روز
آج پہنا ہے تمنا نے نیا پیراہن
نرگس ناز نے گلنار قبا اوڑھی ہے
بزم دوشیں نہ سہی محفل آئندہ تو ہے
غم ماضی کا مداوا کوئی مشکل تو نہیں
مری انجم مری دمساز میں کتنی خوش ہوں

چلی جاتی ہے۔ انجم سراسیمہ و
حیران کھڑی ہے۔ رقص و سرود
برابر جاری ہے)۔
(شہاب داخل ہوتا ہے)

شہاب مری انجم

انجم مرے رخشندہ شہاب

شہاب تو مری ہے مری اپنی انجم

مرے ایام کی ضو تجھ سے ہے

خط پیمانہ ہے ترے بازوؤں کا حصار

(وہ جونہی ہم آغوش ہوتے ہیں

نغمہ آجاتی ہے)۔

انجم (نغمہ سے مخاطب ہوکر)

دل کہ ہے موجۂ خوں شدت غم سے ملکہ

حیلہ حیلہ سے اسے کرتی ہوں راضی بہ رضا

اک دھندلکا سا نظر آتا ہے تاحد نگاہ

اے دریغا یہ مری گم شدگی کا عالم

شہاب مری جاں عالم سرشاری میں

یہ خیالات پریشاں کیسے

انجم اپنے زندانی کو تم زیر حراست کرلو

دور ایام میں آباد رہو شاد رہو

سایۂ تاج میں افکار سے آزاد رہو

دل انجم کی دعا ہے پھلو پھولو دونو

عیش و آرام کے گہوارہ میں جھولو دونو

روز افزوں رہے سلطانہٴ عالم کی سپاہ
اپنے نخچیر کو قابو کرو اورنگ پناہ
بال و پر میں ابھی جولانیٴ رم باقی ہے
کچھ ابھی محفل دو شینہ کا غم باقی ہے

شہاب
تیری باتیں ہیں کہ تفسیر مقامات جنوں
لذت وصل سے جاگی ہے تری حس مزاح
مری انجم مری انجم یہ بہکنا کیسا

نغمہ
کثرت کار سے مغلوب ہیں اس کے اعصاب
اس سے پہلے تو کبھی بہکی نہیں دیوانی
اس میں پر شائبہٴ خوبیٴ تقدیر بھی ہے
کہ بیاں کردی ہے انجم نے مرے دلکی بات
سعی حاصل ہے اگرچہ مری تائید مزید
جوش بہجت سے مرے سینہ میں ہے رستاخیز
آہ الفاظ کا سیلاب ٹھہرتا ہی نہیں
روز اول ہی سے محسوس کیا تھا میں نے
کہ محرک ہے کوئی ارفع و اعلیٰ جذبہ
کوئی آدرش کوئی شوخ سہانا سپنا

ان جگر تاب مساعیٔ جمیلہ کا شہاب
تیرے کردار کی خود داری و دلسوزی نے
مجھ کو تو پہلے ہی گرویدہ بنا رکھا تھا
ترے اظہار تمنا نے مگر آج کی رات
میرے سینہ کے نیستاں میں لگادی وہ آگ
جس کے شعلوں سے مرا جسم جوالا مکھ ہے

شہاب: آپ کی بندہ نوازی کا اسیر بے دام
تاج و اورنگ سے اقرار وفا کرتا ہے
آپ کے لطف و مروت کی جہانگیری نے
ناتواں ذرہ کو خورشید جہانتاب کیا
فیض نیسانی سے ویرانہ کو گلزار کیا
بار احساں سے مرے گردن و بازو خم ہیں
ہر بن مو مرے تن کا ہے رہین منت
آپ کی فیض رسانی تو مسلم لیکن
اس میں احسان زیادہ ہے محبت کم ہے
مری انجم مرے ایام کا حاصل انجم
مرا محمل، مری لیلیٰ، مری منزل انجم
اس کے سینہ نے سنی ہے مرے دل کی دھڑکن

اس کی پلکوں نے مری پلکوں سے باتیں کی ہیں
کیف چھلکاتے ہوئے جسم کی گل گشتوں نے
جذب بیتاب کو کس کس طرح آسودہ کیا
کس طرح شوق گرامی کی مداراتیں کی
بن گئی اجنبی تو بھی مری شہلا انجم
ہو گئی تو بھی مرے جذب دروں سے دل تنگ
آہ تو عشق کے انجام سے نا واقف ہے
رسن و دار کا گہوارہ ہے بازیچۂ دل
آپ کے عارض و رخ جان بہاراں لیکن
ڈوبتے چاند کے مانند ہوئے جاتے ہیں زرد
پھول کیوں ماند پڑے موج صبا کے مس سے
مری آنکھوں میں ہے کیسا متوحش منظر
اس طرح غصہ و غم سے متغیر کیوں ہو
جیسے انجم کو ابھی محو و فنا کردوگی
کچھ مجھے بھی تو پتہ دو پس پردہ کیا ہے
آپ کیوں ہو گئیں غیض و غضب سے برہم
بحر ظلمات میں انجم تو ہے مینارۂ نور
ایک تو زندہ و بیدار ہے باقی ہر شے
ایک تمہید فنا، ایک سراب موہوم

تو شہ حسن و محبت میں گدائے مبرم

تو مری ہے سبھی ترا ہوں مری انجم، انجم

(نغمہ غیض کے عالم میں چلی جاتی ہے)

انجم جذب کرلو مجھے اپنے دل میں

شہاب یہ ہے معراج محبت ، یہ ہے تکمیل وفا

انجم مرے محبوب، مری روح، مرے جسم شہاب

شب مہتاب میں ہے عقد شہاب وانجم
آتشیں وجد میں ہے پچھلے پہر کا موسم
اختلاط گل و بلبل کہ قران سعدین
غالیہ پاش ہے راہوں میں نشاط کونین
موج و ساحل کو مبارک ہو وصال بحرین !

زر داغ دل

فریبِ ہستی

باعور

شفی

کامران

تاثیر

جگر

خیر

شر

ہاتف

باعور (تنہا دارالمطالعہ میں)

ہے ترے ذہن کی جودت تو مسلم لیکن
اپنے افکار کو اک نکتہ پہ مرکوز کرو
تاکہ ادراک میں پیدا ہو وہ آتش ناکی
جیسے جل اٹھتی ہیں سورج کی عمودی کرنیں
اخذ کرتا ہے شعاعوں کو محدب شیشہ
اس طرح علم کے میدان میں جھنڈے گاڑو
جس طرح خالد و اقبال سے پہلے فن میں
اسد و میر تقی کا کوئی ہمسر نہ ہوا
ناتمامی تو ہے رسوائی ہمت کی دلیل
خودشناسی کی نفی، دانش وحکمت کی نقیض
پختگی فکر و نظر کی ہو نظر کا مطمح
رہ نہ جائے کہیں کج عقل وخرد کی دیوار
کہ ہو راتوں کی جگرریش ریاضت بیکار
شہر خوبان دلاور میں کدھر کو جاؤں

مرگ مبرم متعاقب ہے جدھر کو جاؤں
بزم عالم میں طرح طرح سے بہلاتا ہوں
نہیں ہوتی مگر اس ذوق نظر کی تسکیں
جنس راحت کا دل زار خریدار نہیں
ملکہ شعر کا ہے خاصہ اصحاب ہنر
مستحق اس کا نہیں لیکن ہر فرد بشر
جو جگردار ہیں تنقید روا رکھتے ہیں
کار امروز کو فردا پہ اٹھا رکھتے ہیں
کاکِ طناز کو سرگرم جفا رکھتے ہیں
بزم اظہار میں ہنگامہ بپا رکھتے ہیں
ایک بازیچۂ اطفال ہیں طب وقانوں
منطق و فلسفہ شائستۂ ارباب جنوں
متنوع ہیں اگرچہ یہ گراں مایہ علوم
ان کی فرسودہ و پامال گزرگہ لیکن
باعث ننگ ہے شبدیز جواں ہمت کو
جس کو درکار ہے افلاک کی پہنائے بسیط
مری آنکھوں کو لبھاتا ہے شبستان نجوم
یہ مناظر یہ طلسمات یہ کجدار و مریز
ان میں سطوت بھی ہے حشمت بھی تجمل بھی ہے

ان میں عشرت بھی ہے لذت بھی تمول بھی ہے

بے زباں لفظوں میں پوشیدہ نعیم دوراں

کس قدر خاص ہیں الطاف عمیم دوراں

(نوکر کو آواز دیتا ہے)

کامراں!

کامراں (آتے ہوئے) جی

باعور ذرا تاثیر و جگر کو لانا

کامراں ابھی جاتا ہوں جناب عالی!

باعور ان کی صحبت میں مرا ذہن نکھر آئے گا

مرے ژولیدہ خیالات سنور جائیں گے

(خیرو شر داخل ہوتے ہیں)

خیر مئے سر جوش تمنا کا قدح نوش نہ بن

چند جرعات ہی مستانہ بنا دیتے ہیں

یہ ترے شوق کو اکساتے ہوئے ماہ و نجوم

ھیں فقط باب جھنم کی کلید زریں

رب قدوس کی درگاہ میں خم ھونے سے

کبریائی کے حریموں سے جواب آتا ھے

اور ھوتے ھیں عطادل کو مقامات بلند

شر حرف ملھم سے کہیں بڑھ کے ھیں اسرار نجوم

ان میں پوشیدہ دل ارض وسما کی مفتاح

ان کی تسخیر عبارت ھے جہانگیری سے

صید جبریل سے خورشید کی نخچیری سے

(چلے جاتے ھیں)

باعور نیم بالیدہ مئے سحر میں کیا نشہ ھے

فکر و احساس شرابور ھوئے جاتے ھیں

بے پیئے دید سے مخمور ھوئے جاتے ھیں

ھونگے جنات و شیاطین مرے حلقہ بگوش

جو سدا دیں گے مجھے لولوئے لالا کا خراج

یشب و فیروزہ و مرجان و حریر و دیباج

ھر جہاں گیر مرے سامنے دوتا ھو گا

روز آدینہ مرے نام کا خطبہ ھو گا

ہر طرف فوج ظفر موج کا چرچا ہو گا
مرے اقبال سے کانپے گا شبستان شہود
گرد ہو جائے گا چنگیز و ہلاکو کا وجود

(تاثیر اور جگر داخل ہوتے ہیں)

مرے احباب مکرم، مرے تاثیر و جگر!
میں بھی ہوں سحر کی تاثیر سے اب شعلہ بہ آب
غوطے کھاتی ہے یم سحر میں دل کی ناؤ
مرے افکار کی سربستہ گرہ سلجھاؤ

تاثیر تجربہ ، علم ، فراست ، تینوں
ہم کو عرفان نہاں بخشیں گے
شہرت و ناموری اپنے قدم چومیں گی
اور ہم راج کریں گے سب پر

جگر غول و جنات سمندر کو بیاباں کر دیں
ریگزاروں کو روش ہائے خیاباں کر دیں
سونے چاندی کے دفینوں سے گھروں کو بھر دیں
غول اپنے ہیں تو پنہاں و عیاں اپنا ہے

فلک اپنا ہے جہان گزران اپنا ہے

باعور مری رگ رگ میں ہیں شعلے رقصاں
دوستو مجھ کو بھی جادو کا چلن سکھلا دو

تاثیر تجھ کو سمجھاتے ہیں بنیادی رموز و اسرار
تری محنت تجھے کر دیگی دنوں میں پرکار!

باعور ہر طرف پہرہ ہے خاموشی و تاریکی کا
بزم انجم بھی غنودہ ہے فسونِ شب سے
یہ سماں سحر نوازی کے لئے موزوں ہے
سحر و شام شیاطیں کی عبادت کی ہے
ان کی تسخیر کی خاطر وہ ریاضت کی ہے
رتجگا جس کا مری پلکوں میں لہراتا ہے
اے باعور پس و پیش سے کیا حاصل ہے
رستخیر شہ ظلمات کا افسوں پھونکو

(منتر پڑھتا ہے۔ شقی نمودار ہوتا ہے)

دور ہو آنکھوں سے اے غول کریہہ المنظر
شکل میں کچھ تو دلاویزی و دلداری ہو

(شقی چلا جاتا ہے)

مرے الفاظ میں پوشیدہ ہے کتنی قوت
کچے دھاگے سے کھنچے آئیں خوانین و ملوک

بیدوش لرزہ براندام ہوں زارینہ و زار

میری فرقت میں قبا چاک ہوں گل چہرہ نگار

ساغر جم ہے طلسمات کا قفل ابجد

قوت ساحری سے مالک بحر و بر ہوں

اہل بینش کی رجا مرجع کور و کر ہوں

(شقی جوان رعنا کی شکل میں داخل ہوتا ہے)

شقی مجھ کو فرمان ہے آقائے جوان بخت کا کیا

باعور تم ہمیشہ مری خدمت پہ کمربستہ رہو

مری آنکھوں کے اشاروں کو بجالاتے رہو

نہ کبھی حجت و حیلہ ہو نہ اہمال و ابا

شقی میں توں ہوں حضرت ابلیس کا ادنی سا غلام

ان کے فرمان جلالت کا مطیع و پابند

باعور ان کا پروانۂ منظوری اگر لازم ہے

اب کے تو کیسے چلا آیا ہے

کیا تو منتر کی مہابت سے نہیں آیا ہے

یہ بھی سچ ہے یہ حقیقت یہ ہے
جب کوئی کرتا ہے اللہ سے روگردانی
اور ہو جاتا ہے دلدادۂ کفر والحاد
تم ہم از خود ہی چلے آتے ہیں
اس کی تسلیم ورضا کو اپنے
سحر کے بوقلموں دام میں لانے کیلئے

باعور میں تو پہلے ہی شیاطین کا ہوں باج گزار
خالق ارض و سماوات کو رد کر کے میں
کرتا ہوں سطوت ابلیس کا دل سے اقرار
میں تو ہم کے حصاروں سے نکل آیا ہوں
یہ صحیفے تو خرافات کا مجموعہ ہیں
تو زک گردش ایام و صنادید کہن
روشنی ڈالو کچھ ابلیس کی جم جاہی پر

شقی صفت شعلۂ جوالہ جسور و سرکش

باعور کبھی ابلیس فرشتہ بھی تو تھا

شقی حاشر و ناشر اسرار سرا پردۂ حق

اس نے دوزخ کو مگر کس طرح آباد کیا

شقی حضرت خالق باری سے بغاوت کر کے
پیکر خاک کی تعظیم سے منکر ہو کر
کھودیا اس نے تکبر سے مقام محمود
اس کی نخوت نے کیا اس کو لعین و مردود

باعور اور تم کیا ہو

شقی وہ جنات کہ جو
اس کی تقلید میں آمادۂ پیکار ہوئے
رات دن جلتے ہیں اب آگ میں اسکے ہمراہ

باعور کس جگہ جلتے ہو تم

شقی دوزخ میں

باعور کس طرح کرۂ دوزخ سے نکل آئے ہو

شقی کبھی زندانی دوزخ بھی رہا ہوتے ہیں

ہم تو ہر وقت ہی رہتے ہیں جہنم بکنار
ہم جو فردوس میں گلگشت کیا کرتے تھے
ہر نفس کوثر و تسنیم سے مست و سرشار
ان خیابانوں کی شادابی و سرمستی سے
تو سمجھتا ہے کہ محروم تماشا ہو کر
زحمت سہر درخشاں کی کوئی حاجت ہے
دوزخ اک نام ہے اسخاط خدا وندی کا
دل کو ڈستے ہوئے ارمان حنا بندی کا

باعور کس لئے گردش ایام پہ خوں روتے ہو
اب اس افسانۂ پارینہ میں کیا رکھا ہے
مجھ کو دیکھو مری کیفیت استغنا کو
صف جنگاہ میں گلگشت مصلیٰ کی طلب
شعلہ زادوں کے لئے ذلت و رسوائی ہے
جاؤ! ابلیس معظم سے کہو
طبع باعور بلانوش کی آزادہ روی
آیۂ انفس و آفاق سے انکاری ہے
کر کے الہام کے کابوس کو نذر آتش
تیرے آگے سر تسلیم کو خم کرتا ہے

مجھ کو چوبیس مہ وسال جواں رہنے دے
مست و مدہوش مغاں شیوہ پریزادوں کے
لب ورخسار و خط وخال کارس پینے دے
مرے دل کا کوئی ارمان بھی تشنہ نہ رہے
مری آنکھوں سے حجابات نہاں اٹھ جائیں
تجھ کو بخشے وہ اجازت مری دمسازی کی
تاکہ تو میری جنوں کوشی کو بہلاتا رہے
روز و شب میرے تقاضوں کو بجالاتا رہے
جاؤ اور رات کی تنہائی میں
مجھ کو پھر میرے کتب خانہ میں
شاہ ظلمات کے فرمان سے آگاہ کرو

شقی — آپ کا حکم ہے سرآنکھوں پر
(چلاجاتا ہے)

باعور — کھل گیا عقدۂ تسخیر حصار فطرت
ایک بے دام کنیزک ہے نگار فطرت
مجھ سے اب اذن نمو لے گی بہار فطرت!

باعور (دارالمطالعہ میں)

جب مقرر ہوچکا میرے لئے قعر جحیم
کیا سروکار مجھے خلد کی تابانی سے
حورو غلماں کے تصور کی گل افشانی سے
رایگاں انجمن آرائی سے کیا حاصل ہے
مرے دل سے کوئی پوچھے نشۂ سحرونجوم
مجھے دریوزۂ فردوس کی حاجت کیا ہے
کیا خبر مسئلۂ کثرت و وحدت کیا ہے

(خیر و شر داخل ہوتے ہیں)

خیر جادۂ گمر ہی سے ہٹ جاؤ

باعور توبہ ، تہلیل ، تمنا ، کیا ہیں؟

خیر نردباں حق کے سرا پردہ کے

شر جنت وہم و گماں ، نخل سراب

سر گراں زاھد مرتاض کا خواب

خیر کچھ تو کر خوف مکافات عمل

شر شیوہ مردوں کا نہیں قطع امل

(چلے جاتے ھیں)

اعور اب مجھے یورش اوھام سے کیا اندیشہ

اتنا مضبوط ھے ابلیس کی صولت کا حصار

ھر طرح ایمن و آسودہ ھوں

میرے محبوب شقی آبھی جا

مجھ تک ابلیس کا مژدہ پہنچا

(شقی داخل ھوتا ھے)

کیا کہا خواجہٴ اھریمن نے

شقی مرے مجذوب کی خدمت کروتاحین حیات

روح اسکی بدل اس خدمت روزوشب کا

باعور وہ تو پہلے ہی اسے سونپ چکا

شقی مجھ سے ابلیس نے تاکیداً فرمایا ہے
شیخ باعور سے محضر لے لو
لکھ اس عہد کو وہ خون کی رنگینی سے
تاکہ پھر کر نہ سکے جیتے جی
اپنے پیمان کو وہ زینت طاق نسیاں
منحرف ہو نہ سکے وعدہ کا پابند رہے

باعور کیا کریگا وہ مری روح زبوں مایہ سے

شقی اپنی اقلیم کی توسیع حدود

باعور میں آسے روح و رواں سونپتا ہوں

شقی اپنے بازو کے لہو سے لکھو
تاکہ یہ چمکے شہادت بن کر

باعور (اپنے بازو کو زخمی کرتے ہوئے)

اے شقی اپنی محبت کی صداقت کے لئے

نوک خنجر کو چبھوتا ہوں رگ بازو میں
روح کو روح کے ارمانوں کو
کرتا ہوں نذر حضور ابلیس
اے شقی تھام یہ پیمان وفا
اس کی سرخی میں مری روح سمٹ آئی ہے
لیکن اک شرط ہے میری کہ سدا
تو مری بات کو مانے گا بلا چون وچرا

شقی سطوت حضرت ابلیس و جہنم کی قسم
تیری ہر خواہش بے جا کو بطیب خاطر
بے پس و پیش بجا لاؤں گا
جو تمہیں پوچھنا ہو اب پوچھو

باعور لوگ کہتے ہیں جہنم جس کو
کس جگہ ہے یہ بتاؤ مجھ کو

شقی ان عناصر کے رگ وریشہ میں
جن میں شیطان ہیں پابند و اسیر
اس کی لپٹیں کسی پیمانہ میں محدود نہیں

اک الاؤ ھے کہ تاحد نظر روشن ھے

کمر و دوش پہ دوزخ کو لئے پھرتے ھیں

دل مسلتا ھوا احساس جہنم ھی تو ھے

ذھن کا کرب ، جگر کا آشوب

غم کا انداز، الم کا اسلوب

سب عنایات جہنم ھی تو ھیں

آنکھ اٹھتی ھے جدھر آگ نظر آتی ھے

مرے سینے میں جہنم کا جوالا مکھ ھے

جس سے ھر دم میں رھین تپ و نم رھتا ھوں

باعور صرف رنگینیٔ افسانہ ھے

شقی مجھکو دیکھو مری آنکھوں کے عمق میں جھانکو

مرے آلام مری بے کلی افسانہ ھیں؟

ایک دن تم بھی فسانوں کا مزہ چکھ لوگے

(ایک کتاب دیتے ھوئے)

اس صحیفہ میں ھیں سیاروں کے اسرار و رموز

ان لکیروں میں مقید ھیں قناطیر و کنوز

ان خط و قوس میں طوفان و نہیب و تندر

اس کے پڑھنے سے نمودار مسلح لشکر

چشم و ابرو کے اشارات کو جو سمجھیں گے!

صفحہ ایکسو چوراسی

زر داغ دل

باعور (دارالمطالعہ میں)

چاندنی رات میں نظارۂ مینائے کبود
دل میں اک محشر احساس بپا کرتا ہے
کس قدر سادہ و پرکار تھا تاروں کا فسوں
جس سے اک بندۂ معصوم ہوا خوار و زبوں

شفی تو سمجھتا ہے کہ سیمینہ کبودی جلوے
پیکر خاک کے انوار سے روشن تر ہیں
میں یہ کہتا ہوں علی وجہ بصیرت، انساں
ہفت افلاک زبر جد سے کہیں ارفع ہے

باعور کیسے؟

شفی اس بارے میں واضح ہے حدیث لولاک
جملہ مخلوق ہے انساں کے زیر فرماں

باعور مری سطوت کے ثنا گو ہیں اگر کون ومکاں
تو میں تکوین کی غایات سے بے بہرہ ہوں
کہ طلسمات و خرابات میں آوارہ ہوں

(خیروشر داخل ہوتا ہے)

خیر توبہ سے نزہت فردوس کو حاصل کرلے

شر تری تقدیر میں محرومی ہی محرومی ہے

باعور کون کہتا ہے کہ حرمان مجسم ہوں میں
اشک توبہ ہے وہ اکسیر شفا
مندمل ہوتے ہیں ناسور ضلالت جس سے

شر تو کبھی تائب و نادم نہیں ہوگا ساحر

باعور مرے سینے کی قساوت ہے مرا طوق گلو
لب سے الفاظ ندامت کے نکلتے ہی نہیں
منفعل ہونے کی پر مجھ کو ضرورت کیا ہے
حظ اندوز ہوا دھر کی ہر نعمت سے

کہیں دوشیزۂ کہسار سے مصروف کلام

دختِ صحرا ہے کہیں شرح و بیانِ خیام

راجہ اندر کے اکھاڑہ میں کہیں محوِ خرام

دف بجاتے ہوئے دستانِ حنا بستہ سے

لعبتانِ عجم و قاہرہ و پیرس و شام

روم و ایتھنز و دکن کے متحرک اصنام

پھوٹیں یاقوت سے ہونٹوں سے نواہائے غرام

سحر آلود تھیں شبہائے دمشق و بغداد

ہر طرف حسنِ معربد کے شبستاں آباد

کہیں خیامہ و بلقیس کہیں دنیا زاد

کہیں ریحانہ و سلمہ کہیں فرخندہ نہاد

اہلِ دل ہو نہ سکیں جن کے فسوں سے آزاد

قرۃالعین کے نغمات سر رکنا باد

جن کی دلسوزی سے جمعیتِ خاطر برباد

کہیں مادام بواری تو کہیں ریبیکا

جوز فائن کا کہیں روپ متی کا چرچا

محشر آثار کہیں مارگرٹ کا جلوہ

ساحلِ بحر پہ اک میلہ سا جل پریوں کا

دیتی ہیں دعوتِ نظارہ بناتِ النقریٰ

کیفوں، جمخانوں، شبستانوں میں ھنگامہ بپا
کوئی نانا، کوئی سلویا، کوئی سینورینا
رات دن رھتی ھے موضوع سخن شاعر کا
پیک اندیشہ کو جس سے پر پرواز ملا
ان نگاھوں نے قیامت کے مناظر دیکھے
گھر بنائیں جو دلوں میں وہ مسافر دیکھے
ان حسینوں سے تو دلکش نہیں حوران خیام
پھر مجھے ان کی کشش کس لئے تڑپاتی ھے
سپنے بن کر مرے وجدان کو بہکاتی ھے
میں نے اسکندر و ارجن کو نگوں سر دیکھا
کامنی پدمنی کا روئے منور دیکھا
ھے مری کونسی خواھش جو نہ برآئی ھو
پھر مجھے کس لئے اندیشۂ رسوائی ھو
میں جیوں گا گل و گلزار سے کھل کھیلوں گا
پھول چنتے ھوئے کانٹوں کے ستم جھیلوں گا
میں ھوں سلطان زمیں، دشت و دمن میرے ھیں
خوش رفتار غزالان ختن میرے ھیں
کس نے تخلیق کیا ارض و سما کو اے دوست

شقی یہ نہ پوچھو

باعور مرے ہمدم بولو

شقی خلق و خالق میں نہیں مجھکو سخن کا یارا

باعور اپنے وعدے سے پھرے جاتے ہو

شقی تم ہو مردود سقر، رحمت حق کے منکر
تم کو واجب ہے کہ دوزخ کی حقیقت کھوجو

باعور رب عالم ہے شقی ارض و سما کا مالک

شقی یاد رکھو
(برافروختہ ہو کر چلا جاتا ہے)

باعور تری عیاری نے
اپنی پرکاری سے مردود بنایا مجھکو
تیرے دوزخ سے نہیں مجھ کو ہراس
اب بھی میں حلقۂ افسوں سے نکل سکتا ہوں

(خیروشر داخل ہوتے ہیں)

شر نہیں ممکن نہیں

خیر
سب ممکن ہے

شر توجو پلٹا تو شیاطین تجھے کھا جائیں گے

خیر وہ تو خود بندۂ مومن سے اماں مانگتے ہیں
(چلے جاتے ہیں)

باعور کرم اے غافر و تواب و کریم
میں گنہکار تو رحمان و رحیم
مجھ کو بہکاتا ہے شیطان رجیم
برس اے بارش الطاف عمیم
تشنہ لب ہے یہ خطا کار و اثیم

(شقی داخل ہوتا ہے)

شقی آ و نالہ کی رسائی معلوم
بزدل انسانوں کا دل بہلاوا

باعور اپنے پیمان کی سستی پہ ندامت ہے مجھے
مجھے اصلاحِ خیالات کا اک موقع دو
اب کبھی میری زباں ذکر خداوندی سے
بےخیالی میں بھی آلودہ نہ ہوگی، اس کے
میں صحیفوں کو جلا ڈالوں گا
سجدہ گاہوں کو مٹا ڈالوں گا!

صفحۂ ایکسرا کا نوحہ
زر داغ دل

ہاتف — تو کہ ہے پنجۂ ابلیس کا نخچیر زبوں
آ تجھے مقصد تخلیق سے آگاہ کروں
اپنے کردار کی پستی پہ پشیماں ہو کر
ساغر اشک میں خوناب کا ہدیہ لیکر
اے زیاں کوش لرزتے ہوئے دل سے جھک جا
رب معبود کی درگاہ میں مانند نصوح
داستاں ترے معاصی کی ہے گو لرزہ خیز
رحمت مبداٴ فیاض سے نومید نہ ہو

باعور — مجھ کو بد بختیٔ ایام کہاں لے آئی
ہائے اس گردش افلاک کی شورہ پشتی
ہاویہ مجھکو بلاتا ہے بصد شور و نہیب
کہ ہے میرے لئے آغوش کشا نار جحیم
کیوں نہ اس بربط احساس کو کردوں خاموش

ہاتف — اس سرا پردۂ ادراک کو یوں چاک نہ کر

تیرے سر پر چتر انداز ہے جبریل امیں
راہ تکتی ہیں تری خلد میں حوران عیں
نہ ہو سر چشمۂ فیضان سے مایوس نہ ہو

باعور تیری گفتار میں ہے صبح وطن کی نرمی
جیسے جراح نے ناسور پہ مرہم رکھدی
مجھ کو کچھ دیر تفکر میں بسر کرنے دو
تا کہ اس بارے میں وجدان کی رائے لے لوں

ہاتف مجھ کو اندیشہ ہے پر اے ناداں
تری مایوسی تری روح کو لے ڈوبے گی

باعور اپنے اعمال پہ نادم تو ہے باعور مگر
کھو گئی یاس کی ظلمت میں شعاع امید
روح اب موت کے چنگل سے بچیگی کیونکر
کون محروم تمنا کو سہارا دے گا

شقی تری بد عہدی پہ شاہد ترا خونیں محضر
نوچ ڈالوں گا ترے جسم کی بوٹی بوٹی
کر لہو سے ابھی پیمان وفا کی تجدید

باعور اپنے آپے میں نہ تھا میں مجھے معتوب نہ کر
اکثر اوقات میں ایسے ہی بہک جاتا ہوں
اپنے اس عہد کو پھر خون سے دہراتا ہوں

شقی کامل اخلاص و صمیم دل سے
سطوت سحر کا اقرار کرو

(باعور اپنے بازو کو زخمی کر کے اس کے
خون سے ایک پرزہ کاغذ پر لکھتا ہے)

باعور مستحق ہے غم و ایذا کا وہ بوڑھا خناس
ڈالتا ہے مرے سینے میں جو باطل وسواس

شقی اس کے ایمان کی باطل شکن آگاہی سے
جاوداں لرزہ بر اندام جنود ابلیس
اہل دل سے ہمیں ڈر لگتا ہے

باعور مرے اک چھوٹے سے ارمان کو پورا کردو
مریٔ آغوش ہے محروم نگاراں کب سے
کب سے سونگھی نہیں گلنار لبوں کی خوشبو

ہوس انگیز تمنا ہیں شبینہ جادو
مرے نالوں مری آہوں کے شبستانوں کو
سحر افشانیٔ ہیلن سے منور کردو
اس گل اندام سے خوش کام تمنا ہو کر
تن مشکیں کے خمارینہ فسوں میں کھو کر
پھر کبھی حیلۂ یزداں میں نہیں آؤنگا

شقی کوئی دشوار ہے اپنے لئے تسخیر جمال
ایک پل میں پری شیشے میں آتر آئیگی

(ہیلن نمودار ہوتی ہے)

باعور اسی چہرے نے جہازوں کو دیا اذن رحیل
آسماں بوس مناروں کو کیا خاکستر
یہی چہرہ کہ ہے خوابوں کا فسوں ساز دیار
یہی چہرہ کہ ہے میخانہ کا طغیان خمار
اے مری شمع شبستان تمنا، ہیلن
ترے ہونٹوں میں خرابات ازل کی مستی
سیل مستی سے بنادے مجھے سرمست شباب
حسن سیال کی شب تاب قبا میں ملبوس

نفس شام بھی محجوب ہے تیرے آگے

ہاتف ترے اعمال کی بدبختی تجھے لے ڈوبی
روسیہ درگہ امید کوئی دور نہ تھی
رب قدوس کو اک بار پکارا ہوتا!

باعور آہ نیرنگیٔ ایام کا افسوں ٹوٹا
چور ہے زخموں سے رہوار حیات گذراں
کوئی اندازہ ہے اس شخص کی بدبختی کا
جس کی دنیا میں فقط ایک گھڑی باقی ہو
اور پھر غمکدۂ آہن و گرماب و سموم
کاش رک جائے کسی طرح نظام شمسی
اور ہو بہتے ہوئے وقت کا دھارا ساکن
تاکہ رات آدھی نہ ہونے پائے
چشمۂ نور سے خورشید جہانتاب نکل
نکل اور کلبۂ احزاں کو فروزاں کردے
ظلمت شب مجھے ڈستی ہے چھلاوہ بنکر
ہرطرف چھائے ہوئے رات کے آسیبوں کو
اپنی کرنوں کے شبیخوں سے ہراساں کردے
اور لمحوں کو قیامت کی طرح پھیلادے
تاکہ میں وحشت ہستی کا مداوا کرلوں
ہے اسی طرح رواں کاہکشاں کا بجرہ

وقت بہتا ہی چلا جاتا ہے

سامعہ پاش ہے گھڑیال کی ٹک ٹک معبود

ہوتی جاتی ہیں مرے بچنے کی راہیں مسدود

مرے مسجود مری روح کے سچے مالک

اپنے الطاف فراواں سے بچالے مجھ کو

خود ہی اٹھ جاؤں مگر کوئی مجھے روکتا ہے

میں تو اڑ جاؤں کوئی نیچے گراتا ہے مجھے

تیرے انوار سے دامان سپہر افروزاں

میرے ویرانۂ دل کو بھی منور کردے

نجم و اختر ہیں کہ حوروں کے نگاریں ایواں

مری تقدیر کو بھی رو کش اختر کردے

کیوں نہیں ہوتا ہے دامان مشیت نمناک

کرم اے زندگی افروز سریر لولاک

وادیو اپنی فصیلوں میں چھپالو مجھ کو

ندیو اپنے تلاطم میں بہالو مجھ کو

کوہسار بڑھو آگے بڑھو اور آگ کے داروغہ کی

قہر آلود نگاہوں سے بچالو مجھ کو

اے شبستان زمیں شق ہوجا

مری قسمت کے نگہبان تارو

صفت دور پریشاں مجھ کو
اپنی تابانی میں کرلو تحلیل

(گھڑیال ساڑھے گیارہ بجاتا ہے)

رہ گئے زندگی کے تیس دقیقے باقی
اے خدا اے کہ توسبحان و غفور و غفار
اے کہ الطاف کا تیرے نہ کرانہ نہ شمار
تیرے محبوب کا میں بھی تو ثناخواں تھا کبھی
یاد ایام کہ یہ بندہ مسلماں تھا کبھی
مرے عصیاں کی سزا ختم بھی ہوگی آخر
میرے مقسوم میں فردوس کا مژدہ ہوگا
نارسوزاں کی عقوبت سے خلاصی ہوگی
کبھی زندیق بھی دوزخ سے رہا ہوتے ہیں
کس قدر فارغ و آسودہ ہے وحشی مخلوق
مست نوشینۂ رم، سود و زیاں سے آزاد
ان کی ارواح عناصر ہی کی پروردہ ہیں
اور ہوجاتی ہیں مرنے پہ عناصر ہی میں حل
جن کے محشر کا کوئی آج نہ کل
میں بھی اے کاش جہان غم میں

مور ہوتا کوئی بلبل کوئی آہو ہوتا
خار ہوتا کہ کسی پھول کی خوشبو ہوتا
کچھ بھی ہوتا مگر انساں نہ بنایا ہوتا
مجھ پہ اے کاش یہ احساں نہ جتایا ہوتا
انس و شیطان و جن و پری پر لعنت
مرے اعمال کی شوریدہ سری پر لعنت
شوق بیہودہ کی اس فتنہ گری پر لعنت
جس نے فردوس بریں سے مجھے محروم کیا

(گھڑیال بارہ بجاتا ہے — رعد و برق)

اے سیہ کار ترا وقت رحیل آ پہنچا
پیشوائی کو وہ ابلیس و شقی آتے ہیں
اے رواں قطرۂ بے مایہ بن کر
قعر دریا میں کہیں گم ہوجا
تاکہ مٹ جائے ترا نام و نشاں
اور تجھے پا نہ سکے گرز گراں
کرم اے صر صر امواج فنا
مرے مولا ، مرے مولا ، مولا!

(ذریات ابلیس داخل ہوتے ہیں)

روکو اس سیلِ رواں کو روکو
ٹھہرو ٹھہرو مجھے دم لینے دو
کچھ تو رحم اے نفسِ نارِ سعیر
کہ مری روح کی برنائی کو
مرے ایام کی رعنائی کو
لئے جاتے ہیں جہنم کے سفیر
آہ یہ پنجے مہیب و خونخوار
کوئی بجلی ہے کہ تلوار کی دھار
کتنا دلگیر ہے میرا انجام
آہ یہ زندگیٔ نافرجام!

(ذریات ابلیس اسکو کشاں کشاں
لے جاتے ہیں)!

بازارِ حیات

زر داغ دل

بازارِ حیات

مرجانہ

اسما

مانی

آزاد

ہمایوں

راہب

رجانہ اتنی جلدی مجھے دے جاؤگی کیا داغ فراق
اپنے جلووں سے ابھی سیر تو ہولینے دو
ان در و بام کی دلگیر کڑی تنہائی
ناگ بن کر تیری فرقت میں ڈسے گی مجھ کو

اسما مری جاں کل میں بہر حال چلی جاؤں گی

رجانہ ترے جانے کے تصور ہی سے ہول آتا ہے
تو تو عنواں ہے مری زیست کے افسانہ کا
کس طرح تجھ سے جدا ہوجاؤں
قلعہ میں کون بھلا اب تری رہ تکتا ہے
کون دل باختہ ہے منتظر پیک جمال
اب کہاں انجمن افروز وہ فانوس خیال
اتفاقات کا نیرنگ ہمارے طالع
حیرت انگیز طریقہ پہ ہم آہنگ رہے

صفحہ دوسو سات

زر داغ دل

آنجہانی ترا شوہر کہ تھا پیر فرتوت
دم تسلیم جاں تری آغوش میں تھا
مرا سرتاج گل سرسبد فصل حیات
جس کی بھرپور جوانی سے بہاریں غش تھیں
سر میدان وغا طعمۂ شمشیر ہوا
حاصل عمر نثار رہ تقدیر ہوا
نفس باز پسیں مجھ کو پکارا اس نے
موت نے شاہد و مشہود کو ملنے نہ دیا
سینہ کوب آج بھی ہے کاہش اندوہ فراق
نیش غم سے تری آنکھیں بھی ہیں خونابہ فشاں
پر ترے سوز میں مفقود ہے اسما میرے
غم خود سوز کی یہ تندی و شوریدہ سری

اسما
مرے فردوس مکاں شوہر مرحوم کی یاد
گردش خوں کی طرح جسم میں افروزاں ہے
اب بھی محکم ہے اسی طرح وفاداریٔ دل
اب بھی روشن ہے اسی طور شبستان خیال
حفظ ناموس ہے وہ گنج گرانمایۂ دل
وقف ہے مہلت جاں جس کی صیانت کیلئے

مرجانہ مرا مقصد ترے جذبات کی توہین نہ تھا

اسما مجھ کو آتی نہیں پرکاری و آرائش فن
کہ طبیعت میں نہیں رنگ ریاکاری کا
مرے سینے میں خروشاں بھی ہو گر خار الم
اس کے اظہار سے کرتی نہیں جاؤ بیجا
اوروں کی خاطر آزاد کو آزردۂ غم
عرض اندوہ سے بڑھ جاتی ہے کیا حسرت غم
عرض اندوہ ہے رسوائی پیمان وفا
عرض اندوہ ہے تشہیر زبوں کامیٔ دل
عیش امروز کا اک جرعۂ کم سایہ بھی
ہے فزوں تر مجھے صد لذت دوشینہ سے

مرجانہ رشک و غیرت سے مبرا کوئی محرم نہ ہوا
کس کے ہاتھوں سے چھٹا جاتا ہے دامان شکیب
کس کے سینہ میں کھلے ہیں گل صد برگ وصال

اسما شہرہ آفاق ہمایوں جس کے
دست فنکار میں ہے شعلۂ رخسار کی آنچ
مری تصویر بنانے کے لئے آیا ہے
اور تصویر نگاری کوئی الزام نہیں

صفحہ دوسری
زرداغ دل

مرجانہ فقط اک خواہش تحسین و نمود

اسما ترے چہرے کی بھی مشاطگی کی تھی اس نے
تب تو تو اس کی قلمکاری پہ اترائی تھی

مرجانہ ساز ایام کو شرمندۂ مضراب نہ کر
خلد گم گشتہ کو آسودۂ غم رہنے دے
انقلابات زمانہ کی ستم کوشی سے
دور گلزار تمنا میں رہین مئے ناب
میں نے سمجھا تھا خیابانوں میں ایمن ہو کر
اب تو ناقابل تسخیر ہیں یہ حصن حصین
تھے مگر چشم زدن میں وہ حصار سیمیں
سیلیٔ صرصر ایام سے پیوند زمیں
میں بھی تیری طرح سر مست و غزل خواں ہر وقت
ناز و نخرہ کے حسیں خواب بنا کرتی تھی
لیکن اب دیکھتی ہوں پیچھے پلٹ کر اسما
تو سرابوں کے ہیولے ہی نظر آتے ہیں
عمر رفتہ ہے کہ صحرا میں بگولے مضطر

اسما حسن معمورۂ عالم یہ ہیولے ہی تو ہیں

طلب و یافت میں برنائی انہیں کے دم سے
انہی خوابوں سے فروغ کم و کیف ہستی
جرس رہرو درماندہ یہی تار سراب
یہی اندوہ تمنا کا طلسم بے تاب
جس سے پژمردہ قوی پاتے ہیں نیروئے شباب

مرجانہ لیکن اس جذبۂ توصیف و نیائش سے ورا
کوئی خواہش کوئی ارمان کوئی خواب نہیں؟

اسما ہونگے، لیکن میں کوئی رابعہ وللہ نہیں
میں سمجھتی ہوں کہ تسکین حواس خمسہ
خلد موعودہ کی لذت سے ہے بڑھ کر

مرجانہ کیسے؟

اسما یہ گگن کھیلتی سرشار و جواں موج نسیم
ہر بن مو سے امنڈتا ہوا سیلاب شمیم
یہ تمنا کی قناتیں یہ محبت کے حریم
دل انساں کی فتوحات یہ الطاف عمیم

بر ملا کہتے ہیں ایسے ایسے

مرجانہ پر وہ تصویر ہے کس کی خاطر

اسما مرے شہزاد قلی خاں کے لئے

مرجانہ اس کے لئے ؟

اسما ہاں اسی پیکر خوبی کے لئے
جس کی اک جنبش لب سے مرے پندار میں سطوت
مرے آئینۂ تمکیں میں جلا آتی ہے

مرجانہ کڑوی ہوتی ہے نصیحت پھر بھی
تم کو معلوم ہے اسما کہ حسیں فاختہ بنتی
ہے فقط طعمۂ دندان عقاب
زیب دیتی ہے قلی خاں کو یہ ہرزہ منشی
کیا یہی ہے ترا معیار خلیل اللہی ؟
کیا یہی مسلک درویشی ہے ؟
کیا یہی عاقبت اندیش ہے ؟

اسما، دانش مند و جوان سال و جسور و رعنا
پیکر جود و سخا ، رند مغانہ مشرب
تشنہ کا مان ادب کیلئے جیحون وفرات
حکمت و فکر کا دلدادہ، فطین و زیرک
اس کے قالب میں ہے اک خالق وفنکار کی روح
جذب خودسوز سے لرزاں ، متلاطم ، آزاد
اس کے محلوں میں خیالوں کو اماں ملتی ہے
شاہدان سخن و شعر کو رعنائی و رنگ

مرجانہ ذکر جانانہ میں اتنی بھی تو دارفتہ نہ ہو

اسما اس کا مانی بھی تو ہے حلقہ بگوش و حامی

مرجانہ کسکا نام آیا زباں پر کہ زباں بوس ہے نطق
کون کرسکتا ہے اس شیر ژیاں کو پا بند
کبھی ہوسکتی ہے موج نفس گل محبوس
روح فنکار کی پرتاب تگ و تاز جلیل
ہوسکی ہے کبھی زنجیر و سلاسل میں اسیر
کون اس رفعت پرواز کو چھو سکتا ہے

جس بلندی پہ یہ فنکار ہے سر گرم خرام
کبھی ہوتا ہے وہ مہجور تمنا جس کی
زندگی وقف ہو بالیدگیٔ فن کے لئے
کون اس روح کے اعماق کو پاسکتا ہے
تازگی جس کی عبارت ہو نماز فن سے
جس میں پیوستہ جواں جذبۂ تخلیق جہاں
کشف اسرار نہاں، پرورش حسن خیال

اسما تم بھی وارفتگی میں کم تو نہیں ہو مجھ سے

مرجانہ سنگ مرمر سے اٹھا ہوتا اگر میرا خمیر
تو میں شاید کبھی شایان نظر ہو جاتی
میں تو لیکن ہوں عناصر کا ظہور ترتیب
میرے سینہ میں ہے دل لبنیٰ و لیلیٰ کا تپاں
اور اس حسن تصور کے ستائش گر کو
کوئی دلچسپی نہیں پیکر نسوانی سے

دیکھ وہ ڈوبتے سورج کی فسوں کاری سے
سرمئی کہر میں آویزش نور و ظلمت
کثرت جلوہ سے گلزار ہے داماں آفق

قمقموں کی یہ قطاریں، یہ چراغان شفق

عید نظارہ ہے یہ منظر شام رنگیں

یہ ہیولائے کواکب، یہ طلسمات غروب

سینۂ قلزم مینائی کے ضوپوش حبوب

اسما چلنے پھرنے سے مرے پاؤں میں ٹیس اٹھنے لگی

اور احساس بھی وامانده ہوا، ماضی کی

دلنشیں یادوں میں گم ہونے سے

آہ ماضی کے شبستانوں کے وہ نقش و نگار!

قدرے آرام کروں گی جا کر

اور پھر رخت سفر باندھوں گی

مرجانہ میں بھی چلتی ہوں مری غیرت مرجاں، اسما

لیتی ہے درس نمو نرگس فتاں تجھ سے

وادیٔ طور ہوا کابۂ احزاں تجھ سے!

(مانی کا نگارخانہ)

مانی ایک طوق گلو افشار ہے توقیع کمال
ڈال دیتے ہیں مرے شانوں پہ ہر بار عظیم
کشور پارس میں کیا اور کوئی فنکار نہیں
کارسازان مشیت نے جسے بخشی ہو
ندرت ذہن رسا و تپش ذوق سلیم
پر مری طبع مصور کی یہ خاصیت ہے
کہ ہر آغاز ہو شرمندۂ پایان کمال
صور پرداز و اٹھو حشر کی قرنا پھونکو
اس کی گونجوں سے دل دشت وجبل دہلا دو
قرص آتش کو قریں اور قریں لے آؤ
ارض بریاں سے کہو اپنے دفینے اگلے
اے سفیران فلک اپنے صحیفے کھولو
سینۂ خاک سے اے نیند کے ماتو اٹھو
دل کو روشن کرو احساس کو بیدار کرو

یونہی کیا دیکھتے ہو کھوئی ہوئی آنکھوں سے

خامکاران یقیں، یوم حساب آ پہنچا

لذت عیش میں ڈوبے ہوئے لمحات میں جب

ذہن شعلہ ہو تخیل کی عناں تابی سے

مرتعش روح ہو نغمات کی بیتابی سے

دل رہا ہوتا ہے افسون گراں خوابی سے

کاوش کار میں آتی ہے نشاط تخلیق

جو عطا ہوتی ہے فنکار کو حسب توفیق

اور فنکار اسی لے میں بہا جاتا ہے

جس میں تخلیق ہی ہوتی ہے بہائے تخلیق

لیکن اندوہ میں ڈوبے ہوئے لمحات میں جب

فکر و احساس پہ چھا جاتا ہے اک اضمحلال

دانش دہر کی بے سود خیال ارائی

پردۂ ذہن پہ اک بوجھ سا بن جاتی ہے

اور سب مشغلے بیکار نظر آتے ہیں

ایسے لمحوں میں جگر دوز ہے شغل تخلیق

روغن درد سے جلتے ہیں خیالوں کے چراغ

کسکی یادوں سے نواسنج ہیں جذبوں کے رباب

کس کی مستی سے چھلکتے ہیں محبت کے سبو
ہے خرابات بلب کس کی نگاہوں کا خمار
نشہ انگیز ہے کیا جلوۂ نیرنگ خیال
بیکرانہ ہے تخیل کی فسوں سازی بھی
کس قدر شعلہ بر انداز ہیں انوار جمال
جن کی تنویر سے روشن ہے مر اطور خیال
اولیں جام محبت ہو کہ یا باز پسیں
ایک ہے دونوں کی سرمستئ و آتشنا کی
اختر شام غریباں ہو کہ یا نجم سحر
چشم نظارہ کو مرغوب ہے دونوں کا سفر
ایک ہے جذب تمنا کا طلوع اور غروب
دل کے احوال میں کچھ فرق نہیں ہے ایسا
اس کا آغاز بھی ناموس سے سرگرم ستیز
اس کا انجام بھی جاں دادۂ رسوائی ہے

لیکن اس خواب گریزاں سے بھی کیا حاصل ہے
وہ فسوں کار و جنوں خیز و عناں تاب شباب
جس کی ہر لغزش مستانہ ہے میخانہ بدوش
گردش عمر سے افسانۂ پارینہ ہوا

ذوق تخلیق سے مدہوش شبستانوں میں
غم و آلام سے میں بر سر پیکار رہا
قافلے آئے پری زادوں کے اٹھلاتے ہوئے
پاؤں سے دولت کونین کو ٹھکراتے ہوئے
جام چھلکاتے ہوئے شیشوں کو ٹکراتے ہوئے
شب دیجور کے ایوان کو مہکاتے ہوئے
مری قسمت میں مگر لکھی تھی ویرانی ہی
جانگسل ہے غم تخلیق کی فرقت کتنی
عمر اب حسن کی مہکار کے شایاں نہ رہی
اب کہن سالی میں وہ ناز اٹھیں گے کیونکر
نوجوانی میں جنہیں شوق ترستا ہی رہا
اس پری وش کے تصور کی یہ نکہت بیزی
مرے جھلسے ہوئے صحراؤں میں کھوجائیگی

(ناقوس کی آواز)

شاہد شام نے عناب کا جوڑا پہنا
چلی گل گشت کو بل کھاتی ہوئی باد نسیم
نیم سر گوشیوں سے مہکے تمنا کے حریم

اور کنجوں میں حسین خوابوں کے جادو پھیلے
میں بھی کچھ تھوڑی سی تفریح نظر کر آؤں!
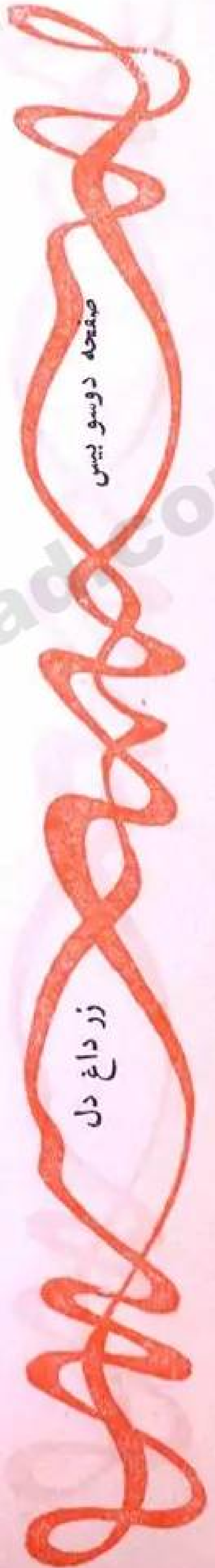
(اسما کے محل کا ایک کمرہ
رات اسما اور آزاد)

اسما بیٹھ بھی جاؤ، کہاں جاتے ہو

آزاد زلف شب بھیگ چکی، چلتا ہوں
درد سر ہیں یہ مباحث تو سراسر خاتون

اسما دوست داری کا یہی فائدہ ہے
کہ تکلف کا حجاب اٹھ جائے
اور ممکن ہو بیاں بے کم و کاست
چند باتیں ہیں مجھے جان وروان سے بھی عزیز
جن کو شرمندۂ اظہار و بیاں کرتی ہوں
میں سمجھتی ہوں کہ ترصیع وطراز تمہید
ایک فرسودگی ہے جس سے بغاوت اولیٰ

تری آنکھوں پہ مری زندگی آئینہ ہے
میرا افراط غنا دھر میں افسانہ ہے
اور جہاندار مرے حسن پہ جاں دیتے ہیں
ان کو منظور ہے تزئین در و بام حرم
مجھے دنیا میں کسی چیز کی پرواہ نہیں
کہ مجھے ہر طرح آسائش جاں حاصل ہے

آزاد حسن و دانش کی نگارینہ گل آمیزی نے
ہر کسی کو ترا دیوانہ بنا رکھا ہے
اور ترغیب ہوس کے باوصف
صورت اختر سیمیں تری سیرت بے داغ

اسما تم مگر پردگیٔ روح کے کشاف نہیں
جزر و مد جس جگہ طوفان بپا رہتے ہیں
روح بسمل، تپش آمادہ، جنوں کوش و علیل
ذہن مجروح، خیالات پریشاں کا قتیل
دل دو پارہ زجگر چاکیٔ آواز رحیل
اور میں اپنے سے بیزار غموں میں تحلیل

ٹمٹماتی ہوئی در ماندہ شعاع قندیل
جس سے ہوتی ہے ہیولائے عدم کی تشکیل

آزاد یہ کشا کش یہ گداز حرماں
غم ایام کے گرداب کا پروردہ ہے
لذت کام و دہن سے اگر ارفع ہوں خیال
تو یہ آویزش احساس و نظر مٹ جائے

اسما تم سمجھتے ہو کہ اس عالم رنگ و بو میں
الجھے ہیں میرے خیالات کے تار

آزاد تم کو عقبیٰ سے زیادہ ہے محبت اس سے

اسما غم عقبیٰ ، غم دنیا ، دونوں
رہتے ہیں دست و گریباں دل میں
مجھ پہ اندرز کا وقتی سا اثر ہوتا ہے
ان کے افسوں سے نکل جانے پر
عود کر آتے ہیں پہلے سے شکوک و اوہام
اور میں گردش ایام میں کھو جاتی ہوں

دل میں پیدا نہیں ہوتا وہ خشوع اور خضوع
وہ دعاؤں کی حلاوت، وہ اجابت کا سرور

آزاد: ابھی پیدا نہیں عرفان حکایات و خبر
خام ہے ذوق طلب، خام ہے انداز نظر

اسما: کون باعث ہے مری خامی کا
کیوں عطا ہوتی نہیں طاقت کردار مجھے
کاتب لوح نے یونہی مری قسمت میں لکھا ہے شاید
کہ اسی طرح اسیر رسن و دار رہوں
کس طرح روح کو ملتی ہے کشاکش سے نجات
کس طرح ہوتی ہے بیتابیٔ دل کی تسکیں
کس طرح ملتے ہیں آدم کو مقامات بلند

آزاد: دنی دنیا کے خیالوں سے نہ نکلو جب تک
اور عقبیٰ کے تصور میں نہ پگھلو جب تک
کبھی مٹ سکتی نہیں کشمکش ہجر و وصال

اسما: کس طرح نفس کے پیچاک سے آزاد ہو دل
کس طرح روح کے اعماق میں پیدا ہو گداز
متمنی ہوں کہ لوگوں کی نظر سے بچکر

مجھے فطرت کے نوامیس کا محرم کردو

آزاد یعنی آشفتہ خیالی سے اماں مل جائے
اور کچھ جسم کو بھی آنچ نہ آنے پائے
خلد عقبیٰ بھی رہے گلکدہ، دنیا بھی
کیسے ممکن ہے کہ سمجھوتہ سے
باب فردوس بریں کھل جائے
وہ تو ایقان کے سم سم سے ہی کھلتا ہے فقط
چور دروازہ نہیں کوئی وہاں جانے کا
رب اعلیٰ کبھی سودا نہیں کرتا خاتون
اس کی رحمت کے سزاوار ہیں ارباب ولا
ماسوا کی کمی بیشی سے منزہ، یکسو

(ناقوس کی آواز)

نصف شب بیت گئی پر خاتون
جاتے جاتے سخن پند بھی اک کہ جاؤں

اسما شوق سے موعظہ و پند کہو

میرے کردار میں ایسا کوئی الجھاؤ نہیں

آزاد وہی شہزاد قلی خاں سے تمھاری رہ و رسم

اسما اس مودت میں مگر درخور الزام ہے کیا ؟
تم سے بھی اور کئی لوگوں سے
نہیں پیوستہ مرا رابطہ مہر و خلوص
اور پھر رکھتی ہوں میں حد ادب کو ملحوظ
تم یقیں مانو قلی خاں کے قریب
اس طرح رات کی تنہائی میں
بے تکلف نہیں بیٹھی میں کبھی

آزاد پر ہمایوں سے قلی خاں کیلئے
تم نے تصویر تو کھنچوائی تھی

اسما یہی مرجانہ نے پوچھا تھا مکرر مجھ سے
اسی افسانۂ پارینہ کو دہراتی ہوں
نہیں پیمان محبت کی امیں وہ تصویر
لب و رخسار کی موکاری میں

تم سمجھتے ہو مقدر ہیں معانی دل کے
ہے وہ اک ہدیہ' ناچیز حضور محسن
فعل مذموم ہے دنیا کی نگاہوں میں خراج
یاد ہے تم کو مرے محلوں پہ
جب ساحلی قزاقوں نے شبخوں مارا
اور میں آشفتہ و بے دست و پا
یہی شہزاد قلی خاں اس وقت
میری امداد کو پہنچا فی الفور
اس کے احسان مودت سے گراں بار تھی میں
ہے یہ تصویر اسی حسن نوازش کا ثبوت
اعتراف اس کے محاسن کی برومندی کا

آزاد وہ بھی قزاق ہے لیکن زیرک
وہ بھی مارے گا شبیخوں لیکن
تم اسے حسن ادا سمجھوگی
اس کے معصوم اشارے بھی ہیں یلغار فریب
اس کے ہر داؤ سے ہر گھات سے ہشیار رہو
اپنے افعال میں محتاط رہو
اب رضا چاہتا ہوں جانے کی
(چلا جاتا ہے)

اسما چادر شعلہ و شبنم ہے طلسم شبگیر
نیم وا کاهکشاں، چاند ستارے خاموش
مات ہے بزم جہاں، رین نظارے خاموش
عشق وارفتہ ہے، درد کے مارے خاموش
نبض غم ڈوب گئی، دل کے سہارے خاموش

ایک آواز
مر گیا
دوسری آواز
کون؟
پہلی آواز
قلی خاں، ہائے!

طعمہ خاک ہے شہزاد قلی خاں، ہائے!
اے مسافر یہ دعا ہے کہ خدائے برتر
تیری غربت کو کرے صبح وطن سے خوشتر!

(اسما بیہوش ہوجاتی ہے)!

مرجانہ　میری آغوش میں آ کر مرے سینے میں سما جا اسما

تیرے نالوں کی حزیں لے سے ہم آواز ہے دل

آ کہ ہم دونوں غم و حزن کی پروردہ ہیں

مجھ کو معلوم ہے تیرے دل محروم کا سوگ

اسما　بھول جانے دو مجھے بھول بھی جانے دو

جراحت دل کی

مرجانہ　حسن مغموم میں کیا نزہت ہے

ہائے کیا لوچ ہے کیا لذت ہے

ہمرکابی میں تری آتی ہے مستانہ شمیم

اور مشکیں نفس سنبل و ریحاں سے نسیم

یاد ایام کہ ہم بیت غزل تھیں اسما

مست و وارفتۂ صہبائے ازل تھیں اسما

زلفیں ساون کی گھٹا آنکھیں تھیں میخانہ بدوش

اور وہ ہوش فراموشیٔ ارباب نیوش

تیرے آنے سے تری شعلہ وشی سے اسما
یاد ایام کا افسانہ ابھر آتا ہے
گزری راتوں کی لگن، بیتے دنوں کی دھڑکن
کیف بن کر مرے احساس پہ چھا جاتی ہے
اور میں ماضی کے شبستانوں میں کھوجاتی ہوں
سرزنش میری تمھیں یاد ہے پیاری اسما
تجھ کو تصویر پہ جب میں نے ملامت کی تھی
تم بھی جی بھر کے مجھے اب کوسو
کہ مرا دامن حرمت بھی ملوث ہے اب
باوجود اپنی کہن سالی کے
اس کلاکار کی ضد کے آگے
کر دیا خم سر تسلیم و نیاز

اسما اس کے ویرانۂ حرماں کو بسانے کے لئے؟

مرجانہ تم بھی کرتی ہو تمسخر مجھ سے
میرا پیماں جواں، میری وفا زندہ ہے
ظرف جاں الفت مرحوم سے تابندہ ہے

اسما مجھے افسوس ہے یہ کہنے کا

مرجانہ میرا پیکر تو ہے مرہون سرود رفتہ

اپنی تصویر کو دیتی ہوں بہ تحویل حبیب

جس سے منظور ہے اخلاص تمنا کا لحاظ

اسما فن کے گلخن میں تپیدہ تصویر

مجھے امید ہے تم دونوں کے شایاں ہوگی

(ایک دستک)

مرجانہ آگیا وہ

اسما میں چلی جاؤں کہ ٹھہروں

مرجانہ ٹھہرو

میرے چہرہ پہ، مصور کی قلمکاری میں

تیرے ہونے سے نئی تاب و تواں آئیگی

اسما ایک کمزوری چلی آتی ہے

صبح احساس سے مجھ میں کہ حضور ابطال

مجھ سے چھن جاتا ہے میرا نفس گویائی

اور میں کھوئی ہوئی آنکھوں سے انہیں
دیکھتی ہوں
جیسے انسانوں کی بستی میں خدا آئے ہوں
یا کسی اجنبی اقلیم کے شاہانہ سفیر
جن کی شوکت پہ پہاڑونکو بھی رشک آتا ہو

(مانی داخل ہوتا ہے)

سرجانہ آؤ

مانی میں خلوت ناموس میں شاید خلل انداز ہوا

سرجانہ یہ تو اسما ہے جھجکتے کیوں ہو
میرے بچپن کی انیس و دمساز

مانی (اسما سے) سر کو تسلیم میں خم کرتا ہوں
آپ کی دید سے ایام کے اوراق دبیز
ذہن نے پلٹے کہ دیکھے ہوئے مدت گذری
آپ کو دیکھ کے پھر بھولنا ناممکن ہے

اسما آپ کی یادوں میں رہنا بھی ہے معراج خیال

مانی لوگ کہتے ہیں کہ گاہے گاہے
بوڑھے ہذیانی بھی ہو جاتے ہیں
آپ کے حسن میں ہے مرمریں حوروں کا جمال

اسما لب مانی کی یہ تشبیب جمال موہوم
گرچہ بے جا ہی سہی پھر بھی خورسند ہوں میں
کہ یہ اتنے بڑے فنکار کا لب خندہ ہے

مرجانہ منتظر ہوں لب گل خند کی میں بھی مانی

مانی تم پہ آئینہ ہے کیفیت قلب تپاں
جو کہ ہوتی نہیں شرمندۂ اظہار و بیاں
روز افزوں ہے ترے جلووں کی تقدیس جمال
جس سے ارباب وفا وقف عبودیت ہیں
تم کو معلوم ہے غایت مرے آنے کی مگر

مرجانہ کیوں نہیں، لیکن کس رخ بیٹھوں

مانی بس اسی طرح، یہی موزوں ہے

سرجانہ غارتِ وقت سے احساسِ ندامت ہے مجھے
تیرے اوقات گرانمایہ ہیں
ابھی آرائشِ معبد سے فراغت تو نہیں

مانی سرعتِ کار تو مخصوصِ جوانی ہے کہ جب
چاق و چوبند قویٰ ہوتے ہیں نوخیز و سریع
بوڑھے لوگوں میں کہاں ولولہ و جوش و نشاط
ذہن بھی ہاتھ بھی دونوں رگِ افسردۂ تاک
سستِ اندیشۂ دل، دامنِ دیدہ نمناک
نقصِ ایام تو ہنگامۂ رسوائی ہے
ضعفِ دل، ضعفِ جگر، ضعفِ خبر، ضعفِ بصر
نوجوانی ہی میں محمود ہے عقبیٰ کا سفر

اسما نامکمل ہی سہی ایک جھلک دکھلا دو

مانی ابھی دیدار کا موقع نہیں آیا خاتون
ابھی اس بادۂ ناپختہ کو رس ہونے دو
زیرِ آواز کو گلبانگِ جرس ہونے دو!

•

مانی کھو گیا محملِ جاں درد کے صحراؤں میں
نیل میں بجرۂ مہتاب رواں ڈوب گیا
آج کل رونقِ فردوس ہیں راہب خانے
جن میں وہ غیرتِ ناہید ہے جلوہ افروز
اس کے قدموں سے نہاں خانۂ معبد روشن
اور خجستہ نفس منبر و محراب و چراغ
منہ چڑاتا ہے مرا نامۂ تہدید آمیز
کہ تو اپنے سخنِ ہرزہ و لاطائل سے
حمد و تہلیل کے اوقات کو برباد نہ کر
میں نے معبود کو جب سونپ دیا اپنا وجود
تو مری یاد سے ایام کو ناشاد نہ کر
تیری انبار نویسی کا یہ طومار فضول
پارسائی کو ہے منجملۂ اسبابِ زہول
تو مرے تزکیۂ نفس میں دیوار نہ بن
شامِ حرماں کی اداسی کا خریدار نہ بن

آج سے نطق کو فرمان زباں بندی ہے
کشور پارس بھی تھی قلب حزیں کو محبوب
جب تک آباد تھی یہ نکہت جانانہ سے
جب سے وہ سبز قبا پارس سے روپوش ہوا
دل بہلتا ہی نہیں معبد و میخانہ سے
خالی ہے بزم مغاں شیشۂ و پیمانہ سے
یاد دوشیں کہیں در پردہ محبت تو نہیں
کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں
میرے احساس کا محور تھا یہی شہر طرب
یہی یونان و فلسطیں، یہی مصر و یثرب
لیکن اس شہر سے اب وحشت رم ہوتی ہے
چشم مہجور کو ہے مونس حرماں کی تلاش
جگر آشوب جراحت کو ہے درماں کی تلاش
اور میں کوچۂ تقدیر میں آوارہ ہوں
فن ابھرتا ہے فقط جادوئے چشم و لب سے
فن کی معراج ہے مرہون جمال جاناں
اس کے افسون بقا سے ابدیت بکنار
رقص و تعمیر و صنم، نغمہ و تصویر و سخن

میری تخلیق کی یہ تازگیٔ صبح ازل
زندگی گیر ہے عکس رخ جانانہ سے
روح روشن ہے ضیاپاشیٔ مرجانہ سے!

(راہب خانہ کا دریچہ)

مرجانہ
عارضی موت ہے احباب کی مہجوری بھی
محو ہو جاتے ہیں یادوں سے خدوخال ونقوش
اور اس بیخودی سے ان کے پیام شیریں
کر کے بیدار دلاتے ہیں پھر احساس حیات
کیا اسی طرح کوئی سلسلۂ لاسلکی
واسطہ کوئی، کوئی رابطۂ حرف و کلام
اپنے اور عالم ارواح کے مابین نہیں
دل کے کنجوں میں اچانک جو خیال
اُٹھتے ہیں
جن میں الہام کی سی برق وشی ہوتی ہے
کیا وہ ہوتے نہیں پیاروں کے پراسرار پیام
پرفسوں، جھیل کے پانی کی طرح
چپ، صنم خانۂ مانی کی طرح
احمریں، چشم جوانی کی طرح

چادر نور میں ملفوف ہے راہب خانہ
ہر طرف خامشی — گمبھیر ، اتھاہ
دور ——— ہنگامۂ رنگ و بو سے
دل کے سینہ میں دھڑکنے کی صدا آتی ہے
جیسے کہسار سے نمناک صبا آتی ہے
اے خنک روح کہ تو عرش پہ آسودہ ہے
حور و غلماں تری خدمت پہ کمربستہ مدام
گل و گلزار کی مہکار سے فرخندہ مشام
میں یہاں تیرے لئے دجلۂ خونابہ ہوں
بوئے گل کی طرح آفاق میں آوارہ ہوں
وادیٔ و کوہ میں اڑتے ہوئے رہوار سحاب
جیسے ہو جاتے ہیں پہنائے فضا میں تحلیل
مرا پیکر ترے آغوش میں حل ہو جائے!

سانی خاک فارس کی کشش منع سفر کرتی ہے
میرے اعضا کی حرارت بھی چھنی جاتی ہے
ارض فارس کے صنادید بھی سائل بہ زوال
اس سبب سے مجھے اس سے ہے دو گونہ قربت
پا بہ زنجیر ہے فارس کے فسوں سے احساس
اس کے مٹتے ہوئے ماضی میں ہے جادو ایسا
جو مہمات کی تخلیق پہ اکساتا ہے
جس سے مانند مئے ناب پگھلتا ہے جمود
اس کے ماحول میں دل وقف تپش رہتا ہے
برق پا ہوتے ہیں ایام کہن سالی میں
اور بدل جاتا ہے انداز حیات گزراں
پیش افتادہ مناظر سے بہلتا نہیں دل
چشم نظارہ کسی چیز پہ رکتی ہی نہیں
منزلیں گرد کے مانند اڑی جاتی ہیں
پر ٹھہرتا ہی نہیں اشہب دوراں کا سوار

وہ جوانی کے حسیں خوابوں کے تانے بانے
جب مرے سامنے مشکل کوئی مشکل ہی نہ تھی
اور تکمیل طلب سہل نظر آتی تھی
منکشف تھے مری آنکھوں پہ سب اسرار لطیف
اور بازیچۂ اطفال تھی فن کی معراج
آج لیکن مرے ایام کا حاصل کیا ہے
کتنے سپنے مرے ارمانوں میں آوارہ ہیں
دیکھ وہ آبلہ پا پھرتی ہے صحرا صحرا
میرے خوابوں کی قبا چاک و سفالیں تعبیر
میری سوچوں مرے ارمانوں کی خونیں تصویر
دست انساں کا عصا ہے تو فقط ذوق عمل
مزد گہ ہے یہ جہاں، عرصہ گہ تاخت و تاز
دیر و زود اس میں مکافات عمل ملتی ہے
زجر و توبیخ سے بے پروا اور
مدح و توصیف سے بالا ہو کر
جادۂ شوق پہ چلتے جاؤ
ایک دن منزل مقصود کو پا ہی لوگے
ہر ہنرمند کو درکار ہے اک نصب العین
آتش شوق کو جو تیز و جواں کرتا رہے

تا که وه قانع و آسوده نه هونے پائے

(قدموں کی آهٹ)

مانی کون هے ؟

همایوں سانس ذرا لوں تو کهوں

سیڑهیاں هیں که شمار سبحه

سانس اب تک مرے پهلو میں سماتا هی نہیں

مانی تم کو بیکار بنایا هے تن آسانی نے

عیش کوشی کا فسوں قاطع برهان عمل

همایوں هے بلندی سے فلک بوس نشیمن تیرا

کعبهٔ فن یه تکان کیا هے

مانی چشم فنکار هے داسان نظاره کو محیط

اس دریچه سے سبهی باغ نظر آتے هیں

همایوں لیکن ان باغوں کی شادابی سے

ان کے پهولوں کی نظر تابی سے

جسم آسوده بهی هوتا هوگا

مانی میں نہیں جانتا آسودگی کیا ہوتی ہے
استراحت کے لئے مجھ کو فراغت ہی نہیں
روز و شب گرم سفر جادہ سپر رہتا ہوں

یوں کام کام آخر شب تک، کوئی حد ہوتی ہے
خستہ اعضا بھی سکوں چاہتے ہیں
حسن فطرت کی نگار آرائی
کنج گلشن کی بہار آرائی
ماہپاروں کی کنار آرائی
سب یہ سامان تماشا ہی تو ہے
کبھی ان سے بھی تو آرائش داماں کیجے

مانی خود کشی کے مترادف ہے تعیش مجھ کو
مرگ تخلیق ہیں ایوان طرب کے افسوں
کام تفریح نظر، کام تماشا مجھکو
کام پیمانہ مرا، کام ہے میخانہ مرا
کام سے زندگی شاداب و تر و تازہ ورس
اب لب بام ہے خورشید حیات ارضی
اس کے لمحات گریزاں مجھے قارون کا گنجینہ ہیں

کہ ہے کفران نعیم ازلی ان کا زیاں
دیکھ سورج کی شعاؤں سے وہ تصویر جمیل
چمک اٹھی ہے

ہمایوں وہ جو میری قلمکاری ہے

مانی یہ تو افسانۂ پارینہ ہے
اب تو ناراض ہوں میں تم سے کہ تم
رنگ و روغن کو بھلا بیٹھے ہو

ہمایوں مجھکو حاصل ہے جو آسائش کمخواب و حریر
میرے ایوان میں بچھتی ہے بہاروں کی حصیر
پیکر ناز مرے دام تمنا میں اسیر
اب مجھے کونسی حاجت ہے جگر کاوی کی
اشک شب تاب سے وجدان کو نم کرنے کی
کیف نو شینہ کو آلودۂ سم کرنے کی

(چلا جاتا ہے)

مانی صرصر وقت سے جب مشعل دل بجھ جائے

کیامرا فن بھی مرے ساتھ ھی کھوجائے گا
مرقد خاک میں سو جائے گا
یا جلا بخشے گا ایام کے ایوانوں کو
لوگ آتے ھیں تڑپتے ھیں چلے جاتے ھیں
ان کے بعد آتے ھیں جو لوگ پرکھتے ھیں انھیں
یا انھیں قعر مذلت میں گرا دیتے ھیں
یا انھیں رفعت افلاک عطا کرتے ھیں
دیکھیں اس محنت خودسوز سے کیا حاصل ھو
بیٹھے بیٹھے کبھی دل میں یہ خیال آتا ہے
ھم مرے جذبۂ تخلیق بھی مر جائے گا
یہ مگر خام انانیت ھے
پھول مرجھاتا ھے اک، غنچے کئی کھلتے ھیں
کبھی رکتی نہیں امواج یم کون و مکاں
بوڑھے گرتے ھیں جواں آتے ھیں
خاک اڑتی ھے بہار آتی ھے
کارواں فن کا رواں رھتا ھے
ھر گھڑی خاک میں ملتے ھیں کئی بطل عظیم
پروھی ھے تپش کار وھی رنگ جہاں
کسی منزل پہ ٹھہرتا ھی نہیں قافلۂ سودوزیاں

صفحہ دوسو پینتالیس

زرداغ دل

آئنہ ساز ہے یہ کارگہ شیشہ گراں
ایک طوفان سبک سیروزمیں گیر ہے سیلاب
حیات
جس کے گرداب میں پیچاں خس و خاشاک
کی صورت ہم تم
فرد واحد کی اس آشوب میں قیمت کیا ہے
نفس گل کی بیاباں میں حقیقت کیا ہے!

•

(راھب خانہ — مرجانہ ایک آرام کرسی پر
نیم دراز ھے، اسما اس کے پاس کھڑی ھے)

اسما تیری بیماری کا کتنا دکھ ھے

مرجانہ آمد صبح کے آثار ھیں میری اسما
آھوئے جاں اب آمادۂ رم ھونے کو ھے
تم کو اسما وہ حسیں شام بھی یاد آئی ھے
آخری بار ملیں تھیں جب ھم

اسما اس طرح جیسے حسیں خواب کوئی دیکھا ھو

مرجانہ اس حزیں شام کو دس سال ھوئے
جن کے دوران میں کتنے ھی تغیر آئے
کتنے پھولوں سے مہکتے ھوئے گلشن اجڑے

کتنے کاشانے لٹے کتنے مقدر بگڑے
ہم کو ایام نے خونناب فشاں دیکھا ہے

اسما گفتگو سے ہوئی جاتی ہو نڈھال
یادوں کو پھر کسی موقع پہ اٹھا رکھتے ہیں

مرجانہ ٹھیک کہتی ہو پڑھو تا کہ طبیعت بہلے

اسما (پڑھتی ہے تھوڑی دیر کے بعد)

سحر آلود ہے یہ عالم بیداری و خواب
ہونٹ ساکت ہیں نفس کی شدو آمد خاموش
اس کی آنکھوں میں شرارے سے دھک اٹھے ہیں
دور اینتھر میں کسی چیز کو جو تکتے ہیں
پھڑپھڑاتے ہیں فضاؤں میں عزازیل کے پر
بولو بولو مری مرجانہ لبوں کو کھولو
اپنی اسما سے کوئی بات کرو

ہونٹوں پر ایک حزیں موج تبسم پھیلی

(آئینہ گر کر ٹوٹ جاتا ہے)

مرجانہ — مرے خوابوں کے ہیولے، مرے پیارے سرتاج

(جاں جان آفریں کے سپرد کردیتی ہے)

اسما — اڑ گیا جان کا طائر قفس عنصر سے
زندگی تیری گہر پاش تھی مانند نسیم
تجھکو ارزانی ہوں فردوس کے الطاف کریم

(جھکتی ہے اور مرجانہ کی گود میں
سر چھپا لیتی ہے)

(مانی داخل ہوتا ہے)

اسما — کوئی آواز نہ آنے پائے

مانی — مری مرجانہ مگر کیسی ہے

اسما — ہو گئی کشمکش جسم وروان سے آزاد

مانی — اس کے چہرے پہ ہیں رقصاں ملکوتی فیضان
جو کہ مخصوص ہیں اہل دل سے!

(مرجانہ کے ہاتھوں کو بوسہ دیتا ہے)

مانی کتنے سالوں کی کسک، کتنے مہینوں کی تڑپ
کتنی راتوں کی جلن، کتنے دلوں کی دھڑکن
کتنی آھوں کی خزاں، کتنی اسنگوں کی بہار
کتنے نغموں کی تواں، کتنی نگاھوں کا خمار
بزم مہتاب میں چمکے گا ستارہ بن کر
اور ڈھل جائے گا اشکوں سے ستاروں کا طلسم
سوکھ جائیں گے نظر کے کنول اس سے پہلے
کہ یہ خال وخط ورخ پیکر مرمریں ڈھلیں
کون کہتا ھے کہ آسان ھے تخلیق جمال
یہ تو احساس گدازی ھے دل آشوبی ھے
دے گیا آہ ھمایوں بھی مجھے داغ فراق
مٹتے جاتے ھیں سہارے مری تنہائی کے
گرتے جاتے ھیں ستون گنبد مینائی کے
اس بھری بزم میں کوئی مرا غمخوار نہیں

میرا ارژنگ تصور، مرا نیرنگ خیال
میرے سامان تمنا کے لئے کافی ہیں
اس پیریزاد کا مرجانہ سبک سیر جمال
میرے ادراک کو آسودہ و نم رکھتا ہے

سایہ کی طرح بڑھاپے میں ہیولائے ممات
سحر و شام جو پیچھے ہی لگا رہتا ہے
روپ بہروپ میں اک غول بیاباں کی طرح
جو بہر رنگ و صفت جلوہ نما رہتا ہے

اور اس سایۂ صرصر آوارہ سے
عالم خواب ہو یا ہوش نہیں راہ گریز
مرگ مبرم کی عنایات ہیں کجدار و مریز

اب زمانہ میں کہاں منزلت علم و کمال
ہر کوئی آٹھتا ہے اب تیشہ بدست
فن کے اہراموں کے پیوند زمیں کرنے کو
حرف گیری ہے کہیں اور کہیں دلشکنی

جب پر و بال میں ہی طاقت پرواز نہیں
کیسے چھوسکتے ہیں جولانگہ جبریل خیال
عجز اپنا ہے مگر الٹا فنکاروں کو
نارسائی پہ ملامت کر کے

طعن بیجا کا بناتے ہیں ہدف

میں نے ایام سے کیا کھویا ہے کیا پایا ہے

ابھی جاتی نہیں مجھ سے مرے فن کی طفلی

لوگ کہتے ہیں کہ پایان کمال آپہنچا

حیرت آموز ہیں کتنی حدیں لاعلمی کی

کس قدر خام ہے شہرت مری پربینی کی

قلزم فن میں میں اک قطرۂ بے مایہ ہوں

ابھی ارزانی نہیں جس کو حقیقت کا شعور

ہائے خود بینیٔ دل کا غلط اندیش غرور!

مانی (تنہا جنگل میں)

سائباں ساز درختوں کی گھنی خاموشی

لہریں اٹھتی ھیں ھوا کی مگر آواز نہیں

ان کا آھنگ ھے کتنا دل پیری کے قریں

زھر آلود تعفن سے اٹے شہروں میں

ساری رعنائی ایام گنوادی میں نے

عقل انسانی کے وہ محبس شعلہ آشام

جن میں وجدان کی پہنائی سمٹ جاتی ھے

بے کرانی دل آزاد کی گھٹ جاتی ھے

سامنے کوہ کے دامن میں ضیائے قندیل

کسی راھب کے نشیمن کا پتہ دیتی ھے

لو لگائے ھوئے بیٹھا ھے وہ سر مست ریاض

اس کے معمورۂ ایمن میں بھی کیا

چلتی ھے صرصر اوھام و نسیم امید

آپ پر بارش رحمت کا نزول

راھب تم پہ سایہ شجر طوبیٰ کا

مانی میں نے ڈالا تو نہیں شغل ریاضت میں خلل

راھب یہ ریاضت نہیں اک سپنا تھا
جو نہیں ھوتا ھے شرمندۂ تعبیر کبھی
یہی سپنا ھے مری عمر گریزاں کا ثمر
جو کسی طور بھی تعبیر میں ڈھلتا ھی نہیں
اور مجھے چکمہ پہ چکمہ ھی دیئے جاتا ھے

مانی زیست کیا ھے یہی شیرازۂ خواب
انہی خوابوں سے عبارت ھے کم و کیف جہاں
عمر میری بھی کٹی خوابوں کی گلگشتوں میں
کوئی غنچہ بھی مگر کھل نہ سکا
میں سمجھتا ھوں کہ مہجوری ھی رعنائی ھے
سعیٔ پیہم سے عبارت ھے تب و تاب حیات
وصل محبوب سے سب دلکشی کھو جاتی ھے!

مانی (نگارخانہ میں)

موت، میں کیوں ہوں تری نقش گری میں ناکام
سنگ مرمر میں ابھرتی نہیں کیوں
تیرے انداز کی ہیبت ناکی
کہیں میں ہی ترے پہلو میں تو استادہ نہیں
کہ ترا قرب مجھے روکتا ہے
موت اے شعبدہ باز ظلمت
میں ترے سامنے ناکارہ ہوں
اب کہولت کے اثر سے ہیں زوال آمادہ
نیروئے بازوئے فولاد و توانائی تن
سطوت تیشہ سے پرما یہ تھا ریعان شباب
اور اب میں بھی چراغ سحری
تاک ایام بھی دیمک خوردہ
میرے احباب زمیں نے چھینے
کھو گئی قلب و نظر کی لو بھی

اس کے ہاتھوں ہی کو چوما تھا فقط
کیوں نہ بوسہ دیا پیشانی کو
کیوں نہ برفاب لبوں کو چوما
نزہت باغ جناں تھی شاید
نکہت شوق جواں تھی شاید
حاصل عمر رواں تھی شاید
آجتک جسکے لئے دیدہ و دل پرخوں ہیں
زندگی ہے کہ ویران تیاتر کوئی
شمعیں افسردہ ، مغنی خاموش
دل کو ڈستا ہوا سنسان سکوت
شب کے سناٹے میں ہو کا عالم
اور میں بادہٗ دوشینہ کی مخموری میں
بیتے افسانوں کو دھراتا ہوں
موت کے سائے چناروں سے بلاتے ہیں مجھے
ایک دن عین اسی مشعل بسمل کی طرح
میں بھی مرغولوں میں گھل جاؤں گا
میری آنکھوںمیں حزیں سائے سے منڈلاتے ہیں
دوست کے عالم بالا سے پیام آتے ہیں !

طوفانِ نوح

زر داغ دل

طوفانِ نوحؑ

نوح

شمیم

جمال

ایاز

سحاب

رباب

رافیل

رحیل

شکیل

صفحہ دوسرا آکسیجن

از داغ دل

حاب

فضا پہ ایک سہانا سکوت طاری ہے
زبان حال سے نغمہ سرا ہے خاموشی
نسیم پھونکتی ہے سحر خود فراموشی
خیال دوست کے معجز نما تصرف سے
تصورات کا ایواں ہے جلوہ گاہ وصال
حریف تمکیں ہے آرزوئے قرب نگار
قرار جاں کا عدو ہے فسون قامت یار
صلہ ہے شوق فراواں کا نا شکیبائی
بپا ہے دل میں خوف و رجا کی آویزش
مگر خوشی میں لازم ہے غم کی آمیزش
نگاہ ناز ہے افسانہ سنج رسوائی
اک آزمائش ہے لذت شناسائی
اگرچہ زمزمہ پرداز ہے گراں خوابی
جناب عشق سے ہم کو ملی ہے شب تابی
یہی تو وہ ساعت ہے ہمارے دیوانے

صفحہ دوسو باسٹھ

از داغ دل

ضمیر غیب سے جب آشکار ہوتے ہیں
کہ جیسے ساز کے ہونٹوں سے نغمگی پھوٹے
کہ جیسے پردۂ شب سے سحر ہویدا ہو
یہ کیسی لذت امید و انتظار میں ہے
کہ جس میں نشہ بھی ہے کلفت خمار بھی ہے
کوئی طلسم ہے رعنائی تصور بھی
شبیہ حیرت و تصویر آرزو مندی
کھڑے ہیں گوہر شب تاب کے تمنائی
تمام حرف تمنا، تمام گویائی
وفور شوق ہے یا اضطراب اندیشہ
کہ جس سے فکر و نظر کا نظام برہم ہے
سدا تعاقب میں کوئی خوف مبہم ہے

رباب
وجود زن ہے سراپا فسانہ و افسوں
سپردگی سے اٹھایا گیا خمیر اس کا
بنات حوا کو عشق عین فطرت ہے
اسی سے ان کی طبیعت کا تار و پود بنا
حنائے ناخن پا ہو کہ حلقۂ سر زلف
چھپاؤ بھی تو یہ جادو نکل ہی آتے ہیں

کسی کو چاہنے میں کون سی قباحت ہے
تمہارے ذہن میں جو مد و جزر برپا ہے

سحاب اس آسمانی مخلوق کی محبت میں
میں اپنی دولت ایماں بھی نذر کر بیٹھی
صنم پرست ہے دل آرزو صنم گر ہے
مذاق کفر کو پیہم تلاش آذر ہے
شرار تیشہ سے روشن ہے خانۂ فرہاد
شرار تیشہ سے خس خانہ جل بھی سکتا ہے
حیات پرور ہے گرچہ کاروبار وفا
پر اس تجارت میں جان کا زیاں بھی ہے
نشاط دوش کے باوصف کاہش فردا
لہو کی طرح رگوں میں رواں دواں بھی ہے

رباب تو پھر کوئی آدم زاد منتخب کر کے
اسیر گیسوئے مشکین و تابدار کرو
کبھی ایاز بھی تو خانہ زاد کاکل تھا
ابھی بھی اس کے سر میں تمہارا سودا ہے
اسی کے غم کدہ کو روکش بہار کرو

کہ اس کشاکشِ پنہاں سے تو رہائی ہو

سحاب رحیل کی ملکوتی صفات سے تو رباب
اس اضطراب نہاں کو کوئی تعلق ہے
تو اس قدر کہ مری موت تو معین ہے
مگر وہ پیکر انوار غیر فانی ہے
جب آرزو کے چراغوں میں روشنی نہ رہے
متاع زندگیٔ مستعار چھن جائے
تو میرے مرنے کے بعد اس خجستہ گوہر کو
کبھی فراغت بھی ہوگی روضہ خوانی سے
کہ جاودانی کا غم بھی جاوداں ہوگا
بس ایک پھول سے آرائش گلستاں ہے
بس ایک جلوہ سے اعتبار خوباں ہے
غبار خاطر آشفتہ بھی پریشاں ہے
مجھے تو اس بد قسمت پہ رحم آتا ہے
لکھا ہے جس کے مقدر میں نوحہ گر ہونا
حیات فانی بھی اک انوکھی نعمت ہے
اگر وہ فانی ہوتا میں زندۂ جاوید
تو میں ہمیشہ عقوبت میں مبتلا رہتی

مہ و ستارہ سے احوال آرزو کہتی
غم فراق کے صدمات متصل سہتی

•

رباب تمہارے مرنے کے بعد وہ وفا پیشہ
بجائے کعبۂ احزاں میں رونے دھونے کے
کسی دمن کسی عذرا کسی قلو پطرہ
کسی لتا کسی گیتا کسی مدھو بالا
کسی بھی نرگس شہلا پہ شیفتہ ہو کر
غم محبت کی داستاں سنائے گا
نگاہ شوق کو جادوگری سکھائے گا
کسی کے جذبۂ پندار کو جگائے گا
کسی کے ذوق پرستش کو آزمائیگا
ملائکہ بھی تلون سرشت ہوتے ہیں
وہاں بھی معیار خوب و زشت ہوتے ہیں

سحاب اسی طرح ہی گلستاں میں خوشہ چینی سے
نیاز مندی سے چاہے ناز نینی سے
وفا شعاری سے یا تماش بینی سے
نشاط گیں ہو مرا جان نثار و دیوانہ

تو میری روح کو یک گونہ مخلصی ہوگی
کہ میرا عاشق ناشاد سوگوار نہیں
کوئی ہو شمع تپش آشنا ہے پروانہ
کوئی شراب ہو پیتا ہے پیر مے خانہ
ازل سے سودائی ہے مذاق رندانہ

رباب وہ عشق طوق لعنت ہے جو غیور نہیں
جو معتبر نہ ہو وہ نغمۂ زبور نہیں
خودی سے بیگانہ صاحب شعور نہیں
شکیل پر جو ہو شبہ بے وفائی کا
تو بے تامل اس مطلبی کو ٹھکرادوں
خلوص نام ہے پیمان استواری کا
نشاط مندی کا حسرت کا سوگواری کا
وفا سے ہی یہ گہر آبدار ہوتا ہے
وفا سے ہی رشتہ پائدار ہوتا ہے
یہ عشق بازی ہے خون کا فشار نہیں
اسی کے فیض سے ہے داغ لالۂ رنگیں
اسی کے سوز سے تاثیر نغمۂ شیریں

سحاب ملی نہ عشق کو توفیق عاقبت بینی

بہت گراں قیمت ہے مذاقِ رنگینی
نباہ کرتا ہے کانٹوں سے شوقِ گلچینی
شہیدِ ناز کو یکساں ہے زہر و شیرینی

نوائے مطرب وابستۂ بہار نہیں
جمالِ ساقی پابندِ مے گسار نہیں
جنوں فسانۂ ایوانِ شہریار نہیں
کوئی کرشمۂ رندانِ بادہ خوار نہیں
مری وفا کو اندیشۂ مآل نہیں
مجھے سلیقۂ آرائشِ خیال نہیں
ہوس پرستیٔ محبوب کا ملال نہیں
جہاں میں زخمِ تمنا کا اندمال نہیں

رباب سحاب کن باتوں میں اُلجھ گئیں ہم بھی
وہ دیکھو چرخِ بریں سے ہمارے شہزادے
شہابِ ثاقب کی طرح آرہے ہیں ادھر
وہ آگئے

مرے پیارے!

سحاب رحیل!

رحیل راحتِ جاں!

جمال دکھوں کی پہلے ہی افراط ہے زمانہ میں
لگی ہے غم کی نمائش نگار خانہ میں
تمہیں بڑی شوق ہوا نجد کی سیاحت کا
دیار ہجر کی صبر آزما مساحت کا

•

ایاز یہاں مصور حرمان آرزو بھی ہیں
گرہ کشائے حجابات رنگ و بو بھی ہیں
قدح گسار و سیہ مست و بے سبو بھی ہیں
ہزاروں پیرہن چاک بے رفو بھی ہیں
اس آشیاں میں نظربند خوش گلو بھی ہیں

یہاں پہ نغمہ کو پابند ساز رکھتے ہیں
نوائے نے کو بصیغہٗ راز رکھتے ہیں
حقیقتوں کو رہین مجاز رکھتے ہیں
نیاز کو ہدف تیر ناز رکھتے ہیں

دل بشر کو ہمیشہ گداز رکھتے ہیں

ستم ظریف فغاں کو سرود کہتے ہیں
اجل رسیدہ کو زندہ رود کہتے ہیں

صبا کے دل میں غم دہر کی کدورت کیا
چراغ لالہ کو فانوس کی ضرورت کیا
اگرچہ دل بھی ہے حیلہ گر و بہانہ جو
ستم ہیں اس نگہ نیم باز کے جادو
دکان دلبری و کاروبار عشوہ گری

نصیب عشق ہے آغاز آفرینش سے
فغان نیم شبی، نالۂ سحر گاہی
لٹی لٹی سی تمنا، بجھے بجھے آنسو

ازل سے اس کو سر بادیہ نوردی ہے
برات عشق اترتی ہے شاخ آہو پر
بزیر شاخ گل افعی گزیدہ بلبل را
نوا گران نخوردہ گزند را چہ خبر

جمال یار کو ہر سو تلاش کرتا ہوں

اسی بہانے کسب معاش کرتا ہوں
دل آبگینہ ہے ہجر کی چٹانوں پر
اس آبگینہ کو پاش پاش کرتا ہوں

پری جمالوں کے پہلو میں سنگ خارا ہے
کہ جس پہ ضربت تیشہ بھی بے اثر نکلی
بظاہر ان کے بدن پھول سے بھی نازک ہیں
کہ جن سے پھوٹتا ہے سیل نکہت تاتار
کہ جن سے کرتا ہے دریوزہ کاروان بہار
کہ جن کے ادنیٰ خادم سرور و سکر و خمار
بباطن ان کی جفا سے جری لرزتے ہیں
کہ اس کا مطلب صحرا کی باغبانی ہے
کہیں سراب میں سعی جہاز رانی ہے
کہیں بیاباں میں کار گل فشانی ہے

مری سحاب مجھے دلفگار چھوڑ گئی
قرار جاں تھی مگر بے قرار چھوڑ گئی
عروس لالہ شکوہ گزار ہو کس سے
صبا ہی جب اسے بیگانہ وار چھوڑ گئی

فراق جاناں میں سوگوار پھرتا ھوں
غم حبیب میں دیوانہ وار پھرتا ھوں

مرے جنوں کو تو آزار ھے خرد مندی
گراں ھے بندۂ آزاد پر زباں بندی
حزیں ھے نالۂ مہجور کی نوا سنجی
برنگ شعلہ سراپا شرار پھرتا ھوں
چھپائے سینہ میں سوز چنار پھرتا ھوں

جمال
مرور وقت سے سب زخم سل ھی جاتے ھیں
کنارے جو کے سمندر میں مل ھی جاتے ھیں
اگرچہ رخش غم آرزو ھے بے قابو
پری کو شیشہ میں لیکن آتار سکتے ھیں
ثبات و صبر مداوا ھے سوز پنہاں کا
حصار کھینچ کے افعی کو مار سکتے ھیں

مری طرف دیکھو میں نے بھی حریفانہ
تمہاری طرح محبت کا کھیل کھیلا ھے
مجھے بھی ایک حسیں کے بدن کی رنگینی

نزاکت و شیرینی جو یاد آتی ہے
تو ایک سانپ کلیجہ پہ لوٹ جاتا ہے
شکست شوق نہیں لیکن آرزو کی شکست

اگرچہ حسن تلون مزاج نے مجھ کو
ذلیل و خوار کیا پست و پائمال کیا
مگر خودی کی تقدیس برقرار رہی
اگرچہ بندگی افتادگی شعار رہی
پر آبرو کا ہر حال میں خیال کیا

رباب نے مجھے ٹھکرا دیا تو ٹھکرا دے
نشاط زیست کے سامان بیکرانہ ہیں
کتاب عیش کے عنوان آذرانہ ہیں
میں کس لئے پھر ناشاد و سوگوار پھروں
بلا سبب ہی محجوب و شرمسار ہوں
اور اپنے آپ کو مظلوم وغم نصیب کہوں

کھلونوں سے دل محزوں بہل ہی جاتا ہے
ہر آستانہ پہ ناداں مچل ہی جاتا ہے
کوئی بہانہ ہو پاؤں پھسل ہی جاتا ہے

نظارہ باز کو نظارے مل ہی جاتے ہیں

شکر خرے کو شکر پارے مل ہی جاتے ہیں

یہ آہ و نالہ و شیون کی گرم بازاری
مری طریقت میں کار و بار ذات ہے
مرے ندیم جسے تم وفا سمجھتے ہو
وہ اہل عقل کے نزدیک اک حماقت ہے
تم ایک ہی گل کو گلستاں سمجھ بیٹھے
یہاں تو ہر جگہ طوفان رنگ و نکہت ہے
ذرا نظر تو اٹھاؤ نگاہ تو ڈالو
ہر ایک آنکھ میں تانیس کی حکایت ہے
ہر ایک سانس کو ہے دعوائے مسیحائی
ہر ایک جلوہ کے انداز ہیں زلیخائی

اداز
مرے جنوں کو تقاضائے ناؤ نوش نہیں
بساط سینہ ہے دامان گلفروش نہیں
لگن ہے دل کی تماشائے اہل ہوش نہیں

مجھے تلاش نہیں دوسرے حسینوں کی

ادا فروشوں کی پرکار نازنینوں کی
شراب عشق کو کہتے ہیں آبگینہ گداز
یہ آبگینہ جو ٹوٹے تو جڑ نہیں سکتا
جھکی ہے ایک ہی دہلیز پر جبین نیاز
کہ حادثات زمانہ سے یہ سر سرکش
اگرچہ ٹوٹ تو سکتا ہے مڑ نہیں سکتا

مذاق عشق کو شوریدگی ودیعت ہے
کہ آہ و نالہ ہی مسلک محبت ہے
لب و کنار کے افسوں ہیں خوابگاہوں میں
جہاں میرا نشیمن ہے گھرے غاروں میں
تم اپنے گھر کو سدھارو میں اپنی منزل کو

(بچھڑ جاتے ہیں)

(نوح اور شمیم داخل ہوتے ہیں)

نوح تمہارا بھائی کہاں ہے ابھی تک آیا نہیں؟

شمیم وہ اپنے روز کے معمول کے مطابق یا

جمال سے کہیں مصروف گفتگو ہوگا
نہیں تو خیمۂ محبوب کے نواحی میں
وہ بے دلانہ چپ چاپ گھومتا ہوگا
نہیں تو غار کی ظلمت میں اونگھتا ہوگا

نوح وہ غار مسکن جنات ہے شمیم چلو
ایاز کو کوئی آزار ہو نہ جائے کہیں
چلو مرے بیٹے اس کو ڈھونڈھ کے لائیں
کہیں ملے تو نشیب و فراز سمجھائیں!

ایاز یہ خامشی یہ فضا کا سکوت ہیبت ناک
کوئی مغنی بیٹھا ہو جیسے سینہ چاک
کسی قیامت صغریٰ کی آمد آمد ہے
ہر ایک بشرے سے خوف و ہراس پیدا ہے
پہاڑ چاند ستاروں سے بات کرتے ہیں
کہ بے ثباتیٔ دنیا کی نوحہ خوانی ہے
یہ انتشار استقبال کی علامت ہے
یہ خلفشار نہیں جشن عمر فانی ہے
ہر ایک چیز پہ طاری ہے گہرا سناٹا
کہ آزمائش اندوہ سخت جانی ہے
حیات ۔ پنجۂ سکرات کارسیدہ صید
زمانہ منتظر مرگ ناگہانی ہے
ہجوم ہوتا ہے ابر گریہ ساماں کا
قضا نے اپنی چادر فضا میں تانی ہے
جگر میں جوش کرے سوز نالۂ نمناک

یہ مرگ مبرم ہے آگ ہے کہ پانی ہے
ہر ایک سانس کا انداز الوداعی ہے
شہار سبحہ کا نام زندگانی ہے

یہ آبشار یہ جھرنے یہ کوہسار بلند
کہ جن کا جلوہ سامان شادمانی ہے
یہ زر فروش حسین و جمیل نظارے
کہ جن کے آنچل کو ناز گل فشانی ہے

یہ آدمی جو بظاہر تو پیکر گل ہیں
پر ان کی طینت کا جوہر آسمانی ہے
ہے جن کے دم سے طلسمات بحروبر کی کشود
جنھوں نے تسخیر مہروسہ کی ٹھانی ہے
جمال فطرت جن کا رہین منت ہے
ہمیشہ جن میں تب و تاب نوجوانی ہے
خجل ہے جس سے آفاق کی فراخی بھی
خیال و خواب میں ان کے وہ بیکرانی ہے

یہ آدمی یہ جہان بان عالم امکاں
کہ جس کے سر میں سودائے غیب دانی ہے
بساط ارض پہ کچھ ساعتوں کا مہماں ہے
جہاں میں طوفان نوح آنے والا ہے

نذر داغ دل

کہ جس سے ہوں گے سب آثار نیست و نابود
فضا میں گونج رہی ہے سروش کی آواز
اٹھو اٹھو اے واماندگان شہر طرب
یہ زندگی گزراں ہے یہ حسن فانی ہے
حیات نشۂ صہبائے ارغوانی ہے
کہ جس کی قیمت اندوہ سر گرانی ہے

اٹھو اٹھو اے آشفتگان ذوق طلب
کہ آج فرصت ہستی تمام ہوتی ہے
خیال۔ دام غرور، آرزو۔ خوش اندیشی
فریب، سحر و محبت، غلط، وفا کیشی
فقط فنا کو بقائے دوام ہوتی ہے

سفر کا حکم ہوا دھر کے مکینوں کو
پری وشوں کو گل اندام مہ جبینوں کو
وہ مست ناز بھی جس کی ادا گلستاں ہے
جمال جس کا جمعیت بہاراں ہے
خیال جس کا کیفیت خمستاں ہے
وہ ماہ طلعت بھی طعمۂ اجل ہوگی

تو مجھکو نعمت ہستی کا فائدہ کیا ہے

کسی طریقہ سے اس کو بچا نہیں سکتا

میں زور بازو کو آزما نہیں سکتا

کہ میرے ساتھ فقط میری ناتوانی ہے

مقابلہ میں عناصر کی قہرمانی ہے

دیار شوق کی کیا کیا نہ خاک چھانی ہے

ابھی بھی بیدل کو قسمت آزمانی ہے

مگر یہ ظلمت میں دودھیا کرن کیسی

دکھائی دیتے ہیں یہ کون پیکران جمیل

کہ جن کے حسن پہ انجم نثار ہوتے ہیں

جو ماہتابا نہ آشکار ہوتے ہیں

سحاب، جان تمنا! پراس کے ساتھ یہ کون؟

(رحیل، شکیل، سحاب اور رباب داخل ہوتے ہیں)

سحاب ایاز!

شکیل آدم خاکی!

رحیل پر اس کف گل کو

سب آدمی جب سر مست خواب نوشیں ہیں
اجاڑ غاروں کی ویرانیوں میں کیا لینا

ایاز ملک، یہی میں تم سے سوال کرتا ہوں
تمہارا کام ہے تاروں کی کشتیاں کھینا
ملا ہے تم کو سیاحت کا کب سے پروانہ

رحیل ہمارا کام ہے دنیا کی پہرہ داری بھی

ایاز زمین پر تو نزول عذاب ہوتا ہے
ملائک آنسوئے افلاک مائل پرواز
مری سحاب مرا دل ہے گوش بر آواز
ترس گیا ہے مری روح کا اچھوتا ساز
حریم ہجر میں آیا نہ کوئی نغمہ نواز
نہ شاخ گل پہ نشیمن نہ راز گل کی خبر
شب الم رہی بیگانۂ ضیائے قمر
کہا نہ بلبل شیدا نے ماجرائے سحر

نگاہ ناز ہے گلدستہ بند رنگینی
دل حزیں کا سر و برگ رنج مسکینی
وہ جلوے جن کی نزاکت سے پھول شرمائیں
نثار جن پر قند و نبات و شیرینی
ہو التفات سے جن کے علاج غمگینی
وہ جلوے جو رہے غیروں پہ مہرباں اکثر
کبھی ہوئے نہ وہ پرسان حال دیدۂ تر
دبی دبی ہی رہی آرزوئے گلچینی
بس ایک شعلۂ سوزاں ہے تا بحد نظر
یہ کون ہیں جنہیں بخشا ہے اذن دمسازی
نگاہ کرتی ہے راز نہاں کی غمازی

سحاب ایاز مجھ سے خدا را یہ بات مت پوچھو
ترے سوال کا انداز لب گزیدنی ہے
تری ملامت کا نیشتر خلیدنی ہے

رباب زباں سنبھالو مغرور نوح کے بیٹے
تمہیں بھی زعم رہ و رسم آشنائی ہے
ہمارے دل میں تمہارا کوئی وقار نہیں

صنعت دوسو اکاسی

زر داغ دل

گدا کے مغز میں منعم کی خوسائی ہے

ایاز ابھی بھی تم کو دعویٰ پارسائی ہے
شکستہ شیشہ خریدار مومیائی ہے
بزیر سایۂ مژگاں یہ مے چکیدنی ہے
شنیدنی ہے یہ نغمہ، یہ جلوہ دیدنی ہے
حکایت لب و رخسار جلترنگ سہی
حدیث گیسوئے خمدار شوخ وشنگ سہی
پر ان پر اس قدر اترانا نامناسب ہے
گذشتنی ہیں یہ جلوے یہ حسن رفتنی ہے
یہ پاسبان تمہارے جو آپ ہیں مغرور
فنا کے ہاتھ سے تم کو بچا نہیں سکتے
خلا ملا میں قیامت کا شور برپا ہے
کہ خانوادۂ قابیل مٹنے والا ہے

رباب سب اک مراقی مجذوب کا تخیل ہے
بھلا یہ چاند ستاروں کو چومتے کہسار
بلند و بالا مضبوط ٹھوس مستحکم
کبھی انہیں کوئی جڑ سے اکھیڑ سکتا ہے

قبائے ہستی کو کوئی ادھیڑ سکتا ہے
مجھے تری باتوں سے کوئی ہراس نہیں
کہ ان میں ناموس زندگی کا پاس نہیں
یہ لالہ زاروں کا طوفان رنگ و رعنائی
یہ سرو قامتوں کی مشکسار برنائی
یہ دختران سادہ کا حسن صحرائی
خیال شاعر رنگیں کا ذوق پیدائی
نگار فطرت پرکار کی خود آرائی
صحیفۂ ازلی کے یہ لازوال نقوش
کوئی بتائے ہوسکتے ہیں کبھی ناپید
کبھی لطافت احساس مٹ نہیں سکتی
کبھی روانیٔ ایام رک نہیں سکتی
یہ سب نظارے پایندہ ہیں دوامی ہیں
کہ زندگانی کے سر چشمے جاودانی ہیں

زر داغ دل

ایاز حریف حکم مشیت ہے دختر عصیاں
بڑے ریاض سے ملتی ہے دولت ایماں
دو ایک ساعت میں اس کا فیصلہ ہوگا

(نوح اور شمیم آتے ہیں)

نوح ایاز مفسدہ پردازوں کی رفاقت میں
جب اٹھ رہی ہے زمانہ سے رحمت یزداں
زمیں کے سینہ میں طوفاں کی دیگ جوشاں ہے
فراز چرخ پہ تمہید برق و باراں ہے
تم آدھی رات کے وقت اس جگہ ہو استادہ
یہ دودمان قابیل کی طرف داری
تمہیں بھی ورطۂ امواج میں ڈھکیل نہ دے

ایاز حضور ابا جان ان اندھیرے غاروں میں
غم و نشاط کا عرفاں نصیب ہوتا ہے
دل حزیں کو نوید قرار ملتی ہے
یہ مر گئے تو مری زندگی بھی ختم ہوئی
خطائے کفر کوئی ایسی لا علاج نہیں
کہ جس کا ایک پیمبر سے چارہ ہو نہ سکے
سحاب کافر و زندیق ہی سہی لیکن
اسی کے دم سے تمنا کا طاق روشن ہے
اسی کے فیض سے غمخانہ رشک ایمن ہے

صفحہ دوسو چوراسی

زر داغ دل

نوح ایاز پہچانو وقت کی نزاکت کو

یہ ادعائے جنوں محض خود فریبی ہے

(رافیل داخل ہوتا ہے)

رافیل اے آسمان نژا دو زمیں پہ کیوں آترے

مقام نور نہادوں کا عرش اعظم ہے

یہ آب و گل کا جہاں معرض فنا میں ہے

شکیل ہمیں تو اخبار آسماں کا علم نہیں

کہ کب سے توبہ کا باب قبول بند ہوا

زمیں پہ رحمت حق کا نزول بند ہوا

رافیل یہ حکمنامہ ہے مرقوم لوح نوریں پر

مگر سوار ہے تم پر تو عاشقی کا جنوں

مشیت ازلی سے کنارہ کش ہوکر

سواد جنت کی نعمتوں کو جھٹلا کر

تم آزماتے ہو خواب و خیال کے افسوں

تمہارے سر میں سمایا ہے شوق کا سودا

کہاں اطاعت و پابندیٔ حظیرۂ قدس

کہاں فسانۂ آزاد و سحر بو قلموں

رحیل میں پوچھتا ہوں ادب سے کہ آپ یاں کیسے

رافیل فرشتگاں میں تمہیں کو بلانے آیا ہوں
بنات حوا تو لقمۂ فنا ہوں گی
دو ایک ساعت میں ان کا حسن جلوہ فروش
سکوت دشت و بیاباں میں بے نشاں ہوگا
سرور صحبت شب کی خمار آگینی
نشاط بادۂ دوشیں کا اذن لادینی
جب اک فسانۂ موہوم بن کے رہ جائیں
فضا میں گونجے گا ایک نوحۂ دلگیر
بہت اداس بہت مضطرب بہت غمناک
سیاہ پوش ہے اہل نشاط کی تقدیر
جہاں کو حکم ہوا ہے فنا پذیری کا
سواد خلد بریں کو جو چاہو لوٹ چلو
کہ عنقریب در فیض بند ہوتا ہے
جو دیر کی تو ممکن ہے بار پا نہ سکو

شکیل   ہم عاشقان گرامی ہیں این و آں سے بلند

ہماری رفعت کو چھو سکے نہ گرد سمند

ہم عشق بازوں کو اندیشۂ عواقب کیا

کہ عاشقی کو مذاق حیات و مرگ نہیں

یہ شیشہ ٹوٹ کے ہی استوار ہوتا ہے

جو مال مہنگا ہو پائدار ہوتا ہے

خریدتے ہیں جان دے کے زندگی کا شعور

نہیں ہے عشق میں تفریق عاشق و محبوب

گراں ہے ذوق پہ تقسیم شاہد و مشہود

ہے ناز شاہد رعنا، وہ نامراد بلا

کہ جس کا صید زبوں مایہ ہے دل رسوا

کمینگی ہے اپنی سلامتی کا خیال

بڑھا کے آگے قدم پیچھے ہٹنا مہمل ہے

کہ اس کو کہتے نہیں شیوۂ جواں مرداں

سرود رفتہ کی بازگشت مشکل ہے

نعیم خلد کی ہم کو اب آرزو ہی نہیں

ہم اب یہیں رہیں گے اے معلم ملکوت

رحیل   رحیل تم

رحیل یہی آواز ہے مرے دل کی

رافیل تو اس گھڑی سے دونوں ہو رانده و سردود
ہوائے جنت تم پر حرام ہوتی ہے
ہے اب تمہارے لئے بند باب چرخ کبود
ہر ایک تارہ شعلہ ہے تازیانہ ہے
کہ تم سے چھن گیا ملبوس رحمت معبود
ہمیشہ کے لئے اب تم رہو گے نامسعود

ایاز نثار ہوں اس الفت کی استواری پر
عجیب عشق میں تہذیب نفس ہوتی ہے
ان عشق بازوں کو پیماں کا پاس ہے کتنا
یہ کیسی سینۂ گیتی میں گڑگڑاہٹ ہے
ہر ایک شے پہ مسلط مہیب خاموشی
ہر ایک شے سے پدیدار کرب کے آثار
ہر ایک سمت سے یلغار ہے گھٹاؤں کی

نوح یہ انتظار تھا جس کا وہ ساعت آپہنچی
نشان کفر کے ناپید ہونے والے ہیں

ہماری نسل کو لیکن کوئی گزند نہیں
نئے افق نئی دنیا کی جستجو لے کر
ہماری کشتیٔ قلعہ نما رواں ہوگی
جو غرق آب ہو اب بھی وہ ارجمند نہیں
ایاز جلدی کرو پیش و پس کا وقت نہیں

ایاز سحاب کو بھی لے لیں حضور ابا جان
بغیر اس کے مری زندگی ادھوری ہے

نوح ایاز اب اس بیہودگی کو چھوڑو بھی

ایاز نہیں سحاب کی موجودگی ضروری ہے

نوح تو اس کے ساتھ ہی بدبخت اب مرو تم بھی
تمہاری زیست کی میعاد ختم ہے شاید

رافیل ابھی بہت نا پختہ ہے طفلک ناداں
ابھی کہاں اسے ذات وصفات کا عرفاں

رباب زمیں سے پھوٹ پڑے ہیں فرات ودجلہ و نیل

فضا میں گونج رہا ہے سمندروں کا خروش

بھلا عناصر سے پنجہ آزمائی کیا
ضعیف انساں کیا لشکر خدائی کیا
سفینۂ غم دل کا اک آس پر ہے مدار
کہ ناخدا نظر آتا ہے آپ سینہ فگار
بنا ہے گنبد دوار آرزو کا مزار

شکیل
ہمارے دست و بازو پر اعتماد کرو
ہمارے ہوتے ہوئے خطرۂ ہلاکت کیا

سحاب
بہ کوہ و وادی کے گل فروش نظارے
تمام نغمہ ، سراپا نیوش نظارے
نشاط پرور ، امید کوش نظارے
انہیں کے دم سے گوارا تلون ایام
انہیں سے کعبۂ احزاں میں آرزو کا خرام
بچھڑ کے ان سے مری زندگی کا شیرازہ
ہے محض اک ورق مصحف گراں جانی
کہ ذرہ ذرہ ہے پیغام سوز پنہانی

کہ پتہ پتہ سے ہے ارتباط روحانی

رحیل مری سحاب اب بے سود ہے پشیمانی
کہ ہم نے تو قسمت آزمانے کی ٹھانی

رافیل حریف مرگ نہیں شیشہ خانۂ مانی
مقابلہ کا وقت آتا ہے زباں کارو
کہ جب کھلے گی تم پر تمہاری نادانی

(انسان سراسیمہ پناہ کی تلاش میں
سرگرداں بھاگتے ہوئے نظر آتے ہیں
ان کی چیخ و پکار)

گناہ گار ترحم کی بھیک مانگتے ہیں
معاف کردے گناہوں کو اے خدائے جلیل
فقیر توبہ کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں
پہاڑ ہلتے ہیں کہسار ٹوٹے پڑتے ہیں
ہر ایک ہونٹ پہ شیون ہر ایک لب پہ دعا
ہمارے جرموں کو بخش دے ہمارے خدا!

رافیل وداع اے شفقی انساں! وداع اے دنیا!
یہی صلہ ہے باطل کی سر پرستی کا

(پرواز کر جاتا ہے)

رحیل سحاب آؤ سرے بال و پر میں چھپ جاؤ
نئے ستارے نئے آسماں نئے آفاق
ہماری آمد کا انتظار کرتے ہیں
طلسم ہوش ربا ہے دکان بادہ فروش
اٹھیں نہ چھوڑ کے ہم آستان بادہ فروش
کہ بیخودی کے یہ نسخے سب آزمودہ ہیں
ابھی تو عقدے تمنا کے نا کشودہ ہیں
غمیں نہ ہو کہ سلامت ہے بازوئے ہمت
غمیں نہ ہو کہ میسر ہے آرزو کا فراغ
غمیں نہ ہو کہ طبیعت ہے خوگر محنت

(رحیل اور سحاب، شکیل اور
رباب اڑجاتے ہیں۔ اور رفتہ رفتہ
نگاہوں سے اوجھل ہوجاتے ہیں)

اباز یہ آنکھ اب ان جلوؤں کو پا نہیں سکتی

بہشت گم شدہ کو پاس لا نہیں سکتی

(انسانوں کی چیخ پکار پھر سنائی دیتی ہے)

مرے خدا، مرا بچہ مری متاع عزیز
مرے خدا تو تو سر چشمۂ محبت ہے
ترے کرم کے سمندر کی کوئی تھاہ نہیں
معاف کر مرے جرموں مری خطاؤں کو
مجھے غرور بے جا نے رو سیاہ کیا
مری ہوس کاری نے مجھے تباہ کیا
مرے خدا مرے پروردگار میرے حفیظ
ترے بغیر نہیں کوئی ملجا و ماویٰ
مجھے بچاؤ خدا را کوئی بچاؤ مجھے
کہ میرے سامنے تاریکی چھائی جاتی ہے

ایاز ہے موت خوشتر اندوہ جاودانی سے
جب آرزو کے سہارے شکستہ و برباد
ہوئے تو اب اس عالم میں دلکشی کیا ہے
خمار لذت ماضی ہے سر خوشی کیا ہے!
حیات رفتہ کا نوحہ ہے زندگی کیا ہے!

(پانی بڑھتا ہے، آدمی ہر سمت
بھاگتے ہیں، موجیں ان کو دبوچ
رہی ہیں، کچھ پہاڑوں پر
چڑھ رہے ہیں۔ ایاز ایک چٹان پر
بدستور بیٹھا رہتا ہے، دور سے
کشتی اس کی طرف آرہی ہے)

سب آشنا ہوئے سر گشتۂ خمار قیود
نہ جانے کس جگہ آئے گی منزل موعود!
ہمارے رشتۂ دامن میں پینی لوپ نہ سرس
رواں دواں ہیں سر موج تند بے مقصود!

گلدستہ

زر داغ دل

خدنگِ جستہ

دلیلہ

شمعون

عہ نان

خلیل

شحنۂ شہر

شمعون شرح اسرار تمنا تھی نوائے منصور

زندگی ہو قلموں جلوہ بساط ارژنگ

رگ گلبرگ کہیں اور کہیں شعلۂ طور

کہیں تہ جرعۂ کاسہ کہیں نیسان بہار

کہیں مرغولہ نوا زخمہ ور پردۂ ساز

کہیں دل سوختہ خمیازہ کش رنج خمار

کہیں خونناب شررتاب کہیں رامش و رنگ

لیکن اس شاھد طناز کی نیرنگی سے

آجتک مل نہ سکا زیست کے کاشانہ میں

کسی آوارۂ وحشت کو قرار دل زار

کبھی جانانہ نظارہ گستر

کبھی ناسفتہ گہر زیر نقاب

قفس رنگ و کف خاکستر

ابن آدم کی نگاھوں کا حجاب

جانے کن ھاتھوں میں ہے ابلق دوراں کی عناں

کون جانے کہ ہے منزل گہ مقصود کہاں
کس جگہ کھو گئے ماضی کے نگارینہ دیار
ایک ہیں چشم زمانہ میں خیار و اشرار
میرا سرمایہ ندامت کے سوا کچھ بھی نہیں
بجز اندوہ وفا برگ و نوا کچھ بھی نہیں
میں کہ تھا منتخب دودۂ آذر نفسان
حلقۂ آتش نمرود میں گلزار خلیل
جس سے وابستہ تھا احیائے بنی اسرائیل
آج اغیار کے نرغہ میں ہوں درماندہ و زار
میرا اقبال فرو ماندۂ ذلت ہو کر
جسم کی تاب و تواں، آنکھ کی دولت کھو کر
آج غازہ میں ہے مزدور طرب گاہ رقیب
وقف زنجیر و رسن، عربدہ زار تضحیک
یہی مقصود مشیت تھا مری بعثت سے
مری تخلیق سے صانع کا یہی مقصد تھا
بزم اغیار میں یوں نقش بہ دیوار بنوں
یوں غلامانہ نیاگاں کی حیا کو بیچوں
بنی یعقوب کی آزادی کا پرچم لے کر
صاعقہ وار فلسطین پہ جو جھپٹا تھا

ایک ہی لغزش مستانہ میں سب کھو بیٹھا
اور پاداش تمنا میں ادا کرنا پڑا
اس زیاں کوش کو سرمایہ، چشم حیراں
آہ اندوہ نگہ غلط انداز بتاں
کرے آفاق کو جو کارگہ شیشہ گراں
لیکن اس ذلت و رسوائی کا شکوہ کس سے
میری لغزش کی مکافات ملی ہے مجھ کو
دام ہمرنگ زمیں تھا یہ نہ سمجھا میں نے
زلف مشکیں کی عنایات سے بیخود ہو کر
آرزو خیز اداؤں کے نشہ میں کھو کر
ایک معشوق جواں سال کا پا کر ایما
تن روئینہ کی حکمت کو کیا بے پردہ
درد آشامی کے باوصف تنک مشرب ہوں
تن تو محکم ہے مگر دانش و حکمت نارس
کسقدر نازک و پرکار تھا فیضان ازل
اسم اعظم کو مرے بالوں میں محصور کیا
میری طاقت بھی تھی اک آہوئے رم آمادہ
مری غفلت سے جو فتراک سے آزاد ہوا
اور آتا نہیں بھولے سے بھی اب زیر کمند

گو زیاں اور بھی ہیں پر یہ بصارت کا زیاں
زندگانی ہوئی زندان بلا میرے لئے
کف مہتاب کی گلچینیٔ دامان بہار
گلعذاروں کے مہکتے ہوئے جسموں کی پکار
سمن اندام نگاروں کا خرام سرشار
آیۂ ثابت و سیار ہے جن کا دیدار
اب ہمیشہ کے لئے ہو گئے مجھ سے روپوش
عرصۂ زیست میں اب چارۂ غم کیا ہوگا
کون بہلائے گا ایام کی ویرانی کو
فیض خورشید سے گلگشت جہاں روشن ہے
ہائے اس نیر رخشاں کی یہ عالم تابی
چاند تارو مری دنیا میں اندھیرا گھپ ہے
زندگی میرے لئے موت سے سنگیں تر ہے
ایک سنسان مسافت کہ نہ جادہ نہ جرس
جس جگہ بالش سبزہ بھی ہے دیوار قفس
مجمر سینہ میں اک شعلۂ پیچاں ہے نفس
اے ضیا گستر مشکوٰۃ و زجاج و مصباح
جس کا اذکار جلیل انفس و آفاق میں ہے
جس کے انوار سے پائندہ فروغ سحری

حامل خیر و شرف جس سے بساط ارضی
مائل نشوونما جس سے نظام شمسی
مری ہستی کو نظر گاہ تمنا کر دے

کتنی محدود ہے آدم کی بساط ادراک
کتنا کم تاب ہے اندیشۂ چست و چالاک
کاوش یک دو نفس سہلت یک دو لمحہ
ایک لحظہ کا زیاں عمر بھر اندوہ فزا
میں نے ماں باپ کی مرضی سے بغاوت کر کے
نفس امارہ کے مشکینہ فسوں میں آ کر
دلکشا غمزوں کے پیچاک میں بے بس ہو کر
دین و دنیا کی سعادت کو فراموش کیا
اے دلیلہ نگہ ناز میں کیا جادو تھا
جس کی تاثیر سے بے بس ہوا شیر بیشہ
روستا زادہ کہستان کا فرزند شجیع
محرم خاصیت سنگ و شرار و تیشہ
جس کو صنعت گر عالم کا کہیں نقش بدیع
کھا گیا مات فسون پیشگیٔ لعبت سے

(عدنان داخل ہوتا ہے)

عدنان: یہ غلام آنکھوں سے محروم پراگندہ نصیب
مرے شمعون کے انداز سے ملتا جلتا
مرے دلبند مرے لخت جگر شمعوں کے
جس کی تلوار میں آسودہ تھی برق خاطف
جس کے پیکان میں پوشیدہ تھی مرگ مبرم
غلغلہ جس کے حریفوں کے شبستانوں میں تھا
تذکرہ جس کا فلسطین کے ایوانوں میں تھا
جس کے طالع کی سعادت مندی کی خاطر
بنی یعقوب کے دل وقف دعا رہتے تھے
وہی شمعون ہے شمعون کا دھندلا سایہ
تیری قدرت بھی کرشمہ ہے خداوند جلیل
کرتی ہے خاک نشیں تاج وروں کو پل مں
تیری حکمت میں نہیں گرچہ شکایت کی مجال
کچھ تو ابطال و صنادید کا لازم ہے خیال
اُن کی غفران پنہ عظمت دیرینہ کا
چشم عالم میں انہیں یوں تو نگونسار نہ کر

شمعون: ابی، اندوہ تمنا جگر آشوب سہی

شکوہ سے مسلک آبا کو سبکسار نہ کر
پاک ہے ذات خدا سہو و خطا سے لاریب
سہو و لغزش تو ہے انگارۂ خاکی کی سرشت
حمق و تعجیل سے گوندھا گیا آدم کا خمیر
قبلہ گاہی مرے اعمال ہی شامت بن کر
مرے پندار کو شائستۂ غم کرتے ہیں
زلف خمدار کے پیچاک میں پھنس کر میں نے
آپ ہی اپنے کو پرسوختہ نخچیر کیا
دختر کفر دغا پیشہ و پرفن نکلی
اپنا دمساز سمجھے ہوئے میں نے اس پر
منکشف کردئے اسرار سرا پردۂ راز
اور اس نے مری الفت کا صلہ مجھکو دیا
رخصت آہ و فغاں، فرصت اندوہ گراں
عشرت سوز نہاں، دیدۂ خونتابہ فشاں
تین بار اسکی لجاجت کو میں ٹھکراتا رہا
دل میں موہوم سا اندیشہ تھا بدعہدی کا
بنت حوا کی فریبندہ طلسم آرائی
زیر لب نیم تبسم — روش روباہی
اک ختن نافۂ ناب، ایک چمن آرائش

خود سپر دانہ و مائل بہ کرم رعنائی

اور پھر پہلو میں دل ھی تو ھے الماس نہیں

جوش مستی سے شب وصل پگھل جاتا ھے

ایسے ھی لمحہ میں اس شوخ ادا پیشہ نے

کرلیا میرے تامل کو شکار غمزہ

طائر سدرہ نشیں زیر کمند آھی گیا

آج کفار کے گھر جشن طرب برپا ھے

اسد بیشۂ حق، بسمل و نخچیر ھے آج

ید بیضا پئے دریوزۂ تنویر ھے آج

مطرب، آزار کش نالۂ شبگیر ھے آج

لیکن اس جشن چراغاں کو نہیں حکم دوام

میں نگوں سر ھی سہی میرا خدا قادر ھے

اب بھی کنعان میں پیراھن یوسف کی شمیم

مژدہ لاتی ھے مسیحا نفسے می آید

عدنان مرے فرزند ھمایوں، مری خواھش ھے کہ چند

سر برآوردہ فلسطینوں سے مل کے تجھے

اس ذلالت سے چھڑالوں زر فدیہ دیکر

مامون سومیائی کی گدائی سے تو بہتر ہے شکست
اور اب کاوش اخلاص سے کیا حاصل ہے
مجھ کیا فائدہ آزادی کے پروانہ کا
جشن نیساں کا کشاد در میخانہ کا
میں نکونامیٔ اسلاف کا خمیازہ ہوں
بحر ذخار کی موج تنک اندازہ ہوں
طاقت جسم اک افسانۂ موہوم ہوئی
عزت نفس لٹی آنکھوں کی تنویر بجھی
ایک ہے نفع و ضرر اب زر گل ہو کہ شرر
تیرگیٔ شب یلدا کہ طبا شیر سحر
دل رنجور کو ہے کنج نشیمن بھی قفس
دل جواں ہو تو جواں ہوتا ہے جولان نفس
مجھ کو اس گوشۂ ذلت میں پڑا رہنے دو
ضربت تیشہ آفات جہاں سہنے دو
اب فقط منتظر روز مکافات ہوں میں
عرصۂ غم میں عزاخانۂ مافات ہوں میں

عدنان تیرے اصنام خیالی کی ملمع کاری
میرے جذبات کو آسودہ نہیں کر سکتی

صفحہ تین سو سات

زرداغ دل

میں تو جو میرا فریضہ ہے بجا لاؤں گا
سعی میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھونگا
اور تو جب تلک آزاد نہیں ہو پاتا
کبھی آرام و فراغت سے نہیں بیٹھونگا

(چلا جاتا ہے)

اب دلیلہ بصد انداز و ادا آتی ہے
نشہ برساتی ہوئی تاروں کو شرماتی ہوئی
جوش مستی سے لچکتی ہوئی اٹھلاتی ہوئی

دلیلہ گردش ایام کی دامن کش دل ہے شمعون
دل وحشی ترے الطاف کا ہے تذکرہ سنج
طعنے دیتی ہے مجھے تیری دگرگوں حالت
بزم دوشینہ کی یادیں مجھے تڑپاتی ہیں
رات دن سوچتی رہتی ہوں میں اے کاش ترے
چاک دامن کو کسی طرح رفو کرسکتی

شمعون میرے زخموں پہ نمک پاش ہے رسوائی شوق
تیرے غمزوں کی فسوں شیوگی اے حرافہ

مرے دل پر اثر انداز نہیں ہوسکتی
تجھ کو لایا ہے یہاں ذوق تماشا تیرا
کہ اڑائے تو مری عظمت رفتہ کا مذاق
اور مرے جذبۂ اخلاص کی تذلیل کرے
دختر ناز ہے مجموعۂ تزویر و فریب
ہے خمیر اس کا دغا، مکروریا اسکی سرشت
اس کے پیچاک سے ایمن نہ کلیسا نہ کنشت
اسکی فطرت کو نہ راس آئے خیابان بہشت
کس طرح اس نے کیا آدم گل مشرب کو
اپنے عشووں سے شبستان ازل میں رسوا

دلیلہ   تیرے جذبات کا اندوہ بجا ہے شمعون
لیکن اس مسئلہ کا دوسرا پہلو بھی تو دیکھ
عورت اصرار و تجسس کا لطیفہ ہی تو ہے
اسکی طینت میں ہے تزویر کی رنگ آمیزی
اپنی افتاد سے مجبور تھی میں بھی شمعون
کہ تجھے غمزۂ چالاک سے بے خود کر کے
تیرے اسرار فروبستہ کو معلوم کروں
صنف نازک کے کم و کیف کا عالم معلوم

ظرف غماز سے وسعت کی توقع ہے عبث
لیکن اس جرم میں تھا تو بھی برابر کا شریک
کیوں کہا تو نے مرے دام فسوں میں آ کر
مری فطرت کو سمجھتے ہوئے اپنا احوال
کتنی بیجا ہے دلیلہ سے شکایت تیری
ضعف کردار سے وہ بھی کہیں بالا تو نہ تھی
کشف اسرار سے ایذا دہی مقصود نہ تھی
مرے ارباب وطن نے مجھے دھوکہ میں رکھا
ان کا وعدہ تھا نہ دینگے کوئی آزار تمہیں
انکے باطن کی خباثت کا مجھے علم نہ تھا
کیسے اعیان و عمائد نے مجھے اکسایا
واسطہ ارض فلسطیں کی سیادت کا دیا
لات وعزی کی خشونت سے کبھی دھمکایا
خاکساروں کی سرافرازی پہ مطعون کیا
یوں مجھے عرضہ دہ خلوت ناموس کیا

شمعون تجھ کو ناموس فلسطین تھی اتنی ہی عزیز
کیوں مری خلوت ناموس کو آباد کیا
مری تحویل میں گنجینۂ عصمت سونپا

تو نے تسلیم کیا جب مجھے شوہر اپنا
اور کہا اپنا خداوند مجازی مجھ کو
تو ہوئی میری امانت تو تجھے لازم تھا
تارک رسم و روایات کہن ہوجانا

دلیلہ مری لغزش نے تجھے ورطۂ غم میں ڈالا
مری تعجیل حماقت تھی کم اندیشی تھی
ہو نہیں سکتی کسی طرح تلافی اس کی
ہے مثل دہر میں لا تاس علیٰ مافات
دیدۂ شوق کی دزدیدہ نگاہی تسلیم
عشرت جلوۂ دلدار سے انکار نہیں
پر اسی پر تو طلسمات جہاں ختم نہیں
لذتیں دیدۂ بینا کے سوا اور بھی ہیں
جلوہ گہ میں سروسامان ضیا اور بھی ہیں
اور پھر جلوۂ اقصائے شبستان حیات
اتنا رنگیں بھی نہیں اتنا دل آرا بھی نہیں
کہ کوئی لذت دیدار پہ اصرار کرے
جاکے ایوان حکومت میں عمائد سے ابھی
اپنے ایثار تمنا کا صلہ چاہوں گی

کہ مرے قبضۂ تولیت میں دیدیں تجھ کو
تاکہ انہار ولیالی تری خدمت کرکے
کرسکوں چارۂ مافات بقدر توفیق

شمعون
کو بہ کو عربدہ جوا ے بت پیغارہ خصال
ترے افسون نگاریں کی کمند مشکیں
کرنہیں سکتی اب اس صید رمیدہ کو اسیر
تیری اس پیشکش رحم کا ممنون ہون میں
اب دوبارہ مجھے شائستۂ اکرام نہ کر
بندہ تجدید نوازش سے اماں مانگتا ھے
منتظر ھے ترا خلوت کدۂ نیم شبی
راہ تکتی ھیں کنیزان شبستان شہی
مجھ کو نالہ کش زنجیرو رسن رہنے دے
شکریہ پرسش غم کا مری غمخوار قدیم
جس کے ریعان جوانی سے دغا کی تونے
بے نوائی میں اسے خاک سہارا دے گی
کیا ابھی میرے لئے ذلت غم باقی ھے
اب تری عشوہ طرازی کا نشانہ کیا ھے
دورھٹ جاؤ مرے خوابوں کوویران نہ کرو

تیرے خدام ادب تجھ کو بلاتے ہونگے
سفر منزل شب کے تھکے ماندے راہی
تشنہ کامانِ طرب، بادہ گسارانِ طلب
کب سے زحمت کش اندوہ تمنا ہونگے

دلیلہ تجھ پہ افسون دعا بھی اثر انداز نہیں
پر مجھے رحم کے دریوزہ کی حاجت کیا ہے
مجھے اس اندھے کی خوشنودی سے کیا لہنا ہے
مجھ پہ اک فرض تھا ملت کا سو انجام دیا
خدمت ملک میں رسوائی سے ڈرنا کیسا
طعن و تشنیع سے ڈرتے ہیں محبان وطن؟
ہر زباں پر مری عظمت کے فسانے جاری
حشر ساماں ہے مری سادگی و پرکاری
ان پرستاروں کا یہ ذوق پرستش اللہ
کون ہے جو مرے جلووں کا خریدار نہیں
مرے افسون خماریں کا طلبگار نہیں
زندگی نغمۂ دلکش ہے دل آزار نہیں
سچ ہے دنیا میں کوئی چیز بھی بیکار نہیں
تجھ کو یہ حلقۂ زنجیر مبارک شمعون

یونہی ویران رہے تیرا دیار حرماں

(چلی جاتی ہے)

(شحنۂ شہر داخل ہوتا ہے)

شحنہ تم کو اعیان طلب کرتے ہیں فی الفور چلو

شمعون اُن کے ارشاد کی تعمیل سے میں قاصر ہوں

شحنہ تم اس انکار کے انجام سے آگاہ نہیں

شمعون جاؤ جاؤ مجھے اس کی نہیں پرواہ کوئی
خود فروشی کی نوامیس سے غداری کی
ایک توحید کے فرزند کو توفیق نہیں

(شحنۂ شہر چلا جاتا ہے)

مرے کانوں میں یہ آواز کہاں سے آئی
یہ تری زندگی کا آخری دن ہے شمعون
جو کیا قادر مطلق نے ودیعت تجھ کو
آج اس جوہر پنہاں کو نمایاں کردے

اب کوئی آئے تو انکار نہ کرنا شمعون

(شحنۂ شہر دوبارہ آتا ہے)

شحنہ مرے همراہ چلو ورنہ پشیماں ہو گے
آتشیں چکیوں میں پیس دئے جاؤ گے

شمعون اتنا اصرار ہے تم کو تو چلا چلتا ہوں

(چلے جاتے ہیں)

(عدنان داخل ہوتا ہے)

عدنان مرا شمعون ہے اب مشغلۂ بزم نشاط
جس کا پیغام تھا احیائے قرون اولی
ڈھونڈتا پھرتا تھا جو عظمت رفتہ کا سراغ
آج غازہ میں ہے پابند سلاسل ہو کر
اهل عشرت کیلئے ایک کمیں بازی گر
تفو اے گردش نیرنگیٔ ایام تفو
میں نے اعیان کے آگے بہت الحاح کیا
اپنے کشکول گدایانہ میں آنسو لیکر
ان سے شمعون کی حالت پہ ترحم چاہا
میری مجبور ضعیفی هی پہ کچھ رحم کریں

لیکن ارباب قساوت متاثر نہ ہوئے
میرے نالوں سے پسیجانہ کوئی خارا دل
مرے اللہ مرے کانوں سے ٹکراتی ہوئی
گونجوں سے گنبدافلاک کوشق کرتی ہوئی
یہ پر اسرار دھماکے کی صدا کیسی تھی
مژدۂ عید ہے مجھکو مرا ہمسایہ خلیل
اس کو اس شور قیامت کی خبر ہو شاید

(خلیل سراسیمہ ہانپتا کانپتا داخل ہوتا ہے)

خلیل جلوۂ برق فنا تھا کہ نہیب محشر
اہل غازہ کی طرب گہ ہوئی پابوس زمیں
اور بدمست ہوس نیست و نابود ہوئے

عدنان کس طرح کیفر کردار کو پہنچے کفار
عرض روداد پہ اتنے متامل کیوں ہو

خلیل اپنے شمعون جگر دار کا اعجاز ہے یہ

عدنان ا شمعون مرا لخت جگر میرا چراغ

خلیل تیر دلدوز بھی اک ترکش تقدیر میں تھا
جس کی پرتابی سے شمعون ہوی نخچیر ھوا
بنی یعقوب کا شب تاب چراغ خانہ
آن کے اعیان و نوامیس کا ضامن شمعون
آج تقدیر کے ھاتھوں ھوا سرمایہ خاک

عدنان کس شقی نے مرے شمعون پہ یہ وار کیا

خلیل اسکے سینے پہ حزیں دوست کوئی زخم نہ تھا
مشہد کرب و بلا میں وہ شہید معصوم
آپ تھا تیر و ھدف ، آپ قتیل و قاتل
اھل غازہ کا جہاں جشن طرب برپا تھا
اسی ایوان کو شمعون نے ھاتھوں کے بل
اس طرح جھٹکا دیا ارض و سما کانپ اٹھے
آیہ صنع الہی تھا جہاں میں شمعون

عدنان میرا شمعون بہادر تھا بہادر نکلا
میری آنکھوں میں یہ آنسو نہیں تارے ھیں خلیل
جو افق تابی فردا کی خبر دیتے ھیں

مرثیہ خوان جہان گزراں ید آنسو

یہی قندیل تنک ضو یہی شمع کشتہ

بحر ظلمات سے ہے نور سعادت کا طلوع

لٹ گیا ایک نشیمن تو مقام غم کیا

کھل گیا گردش ایام سے اک راز تو کیا

بطن ایام میں اسرار نہاں اور بھی ہیں

ابھی حیرت کدۂ سود و زیاں اور بھی ہیں

عزم زندہ ہے تو ویرانے گل افشاں ہونگے

ہر روش ایمن و ہر گام گلستاں ہونگے

دیکھنا اشک جگر فام کی معجز اثری

بت مغاں شیوہ زباں لال غزلخواں ہونگے

عرصۂ بیم و رجا میں ابھی حق و باطل

خس و گلخن کی طرح دست و گریباں ہونگے

عشق کے فیض مغانہ سے فروغ آفاق

محرم غم ہی حریف خم و سنداں ہونگے

ان سے لبریز ضیا انجم رخشندہ، یہی

ناقۂ دشت تمنا کے حدی خواں ہونگے

آج صحرا میں جو تہمت کش رسوائی ہیں

ایک دن عصمت عالم کے نگہباں ہونگے

کبریائی کی امیں ان کی خجستہ نفسی

آنسوئے عرش بریں ان کے شبستاں ہونگے

ہوگا فاراں سے وہ خورشید جہانتاب طلوع

ذرے بھی ہمنفس مہر درخشاں ہونگے

اے خوشا مشرب نابے، زہے ژندہ رودے

آدمی بندہ و خواجہ نہیں انسان ہونگے !

دست خیال

زر داغ دل

مُشتِ غبار

عنیزہ	اجلال
دردانہ	التمش
خیام	زمان
سلمان	نقیب
مخمور	حاجب
کافور	۱ مصاحب
اخطل	سپاہی

اندیشہ

سلمان فکر فردا کو غریق مئے دوشیں کرکے
غم گیتی کو رھین لب نوشیں کرکے
وہ کہ اپنے ھی مذاق طرب آگیں کا شکار
اس نے ملت کے مفادات کو مستانہ وار
نذر مشاطگئی روئے دلارام کیا
ذکر سرو و گل و لالہ سے مجالس رنگیں
ماھوش مطربہ و زمزمہ ھائے شیریں
ساعد نور و لب نار و ساق سیمیں
بوئے گل سے نفس باد صبا عطر آگیں
کس نے پایا اثر نالۂ دلھائے حزیں؟
درد یک ساغر غفلت ھے چہ دنیا وچہ دیں!
روز ابر و شب مہتاب و شبستان بہار
ان ستونوں پہ ھے ایوان ریاست کا مدار
کرکے ادراک کو بے و قر بسوق و بازار
دانش ارض خداداد کو بدنام کیا

اور معصوم عنیزہ کے حریم دل کو
جس کی شائستہ نگاہی سے کواکب محجوب
تا رونِ قد سہی بالا، سمن اندام و صبیح
سہروسہ نے کبھی دیکھا نہیں جس کو عریاں
آبرو باختہ آمیختہ ابر و خوباں
کر گئے عشوہ فروشی سے دیار حرماں
باغبان ستم آرا کی ستم کوشی نے
خوشنوایانِ چمن کو بھی نہ خوش کام کیا
پھر بھی دعویٰ ہے اسے انجمن آرائی کا
ہوس تاج بھی ہے ذوق سیہ مستی بھی
گو اس وقت بظاہر کوئی آثار نہیں
کچھ ابھی عظمت رفتہ کا اثر باقی ہے
اور کچھ خوف و تذبذب کی فسوں کاری ہے
کہ بہائم کی طرح رہنے پہ مجبور ہیں لوگ
دبدبہ سطوت شاہی کا مسلم لیکن
دادو بیداد کے یہ طور طریقے کب تک
کبھی قانون مکافات عمل بدلا ہے؟
کیا یہ میراث نیاگاں یونہی مٹ جائیگی!
رہا اسلاف کی پلکوں میں بسیرا جس کا

اس حسیں خواب کی تعبیر پریشاں ہوگی؟

دولت عزو شرف، جنس وقار و تمکیں

دست دلالہ میں تہ جام سے ارزاں ہوگی؟

جس کی بنیادوں کو اجداد نے خوں سے سینچا

وہ فلک بوس عمارت یونہی ویراں ہوگی؟

تیرہ سو سالہ تمدن کی امیں یہ اقلیم

اک ستمگر کی بہیمانہ سیہ کاری سے

نکہت گل کی طرح ہم سے گریزاں ہوگی؟

کہیں خورشید جہانتاب بھی گل ہوتا ہے؟

قافلہ انجم شب رو کا کہیں رکتا ہے؟

گو ہوسناکی نے ناکارہ بنا رکھا ہے

پر ابھی اس میں نجابت کی رمق باقی ہے

بجھ گئی فکر کی قندیل، قلق باقی ہے

قرص خور ڈوب چکی، رنگ شفق باقی ہے

(موسیقی کی دلکش صدا)

اسی رامشگری و رنگ کی دمسازی نے

انھی خوبان اداکار کی دلبازی نے

اپسے آئین جہانبانی سے بیگانہ کیا

بندۂ خال و خط و ساغر و پیمانہ کیا

اسی غفلت سے جگانا ہے شہ دوراں کو

مطلع شام پہ آثار سحر پیدا ہیں

خواجۂ گیہاں دور مئے دوشیں کب تک؟

ہنگام رستا خیز ہے آنکھیں کھولو

شادماں طائفۂ حسن کو ہمراہ لئے

جادوئے خلخ و فرخار کو شرمندہ کئے

سایۂ زلف میں خوابوں کی قبا بنتے ہوئے

دف و مردنگ کے آہنگ پہ سر دھنتے ہوئے

جھومتے جھامتے وہ شاہ زماں آتے ہیں

آج بے ریو وریا راز دلی کہ ہی دوں!

(خیام نسوانی تکلفات سے داخل ہوتا
ہے، سر پر پھولوں کا تاج ہے، لباس
ایک شان بے نیازی سے بے ترتیب ہے
پری وش جلو میں ہیں——)

خیام خیمے استادہ کرو آج لب نہر فرات

عجب انعام ہے قدرت کا تب و تاب حیات

زندگانی ہے کہ نغما ؤ ایادی کی برات

بے خبر جس کو سمجھتے ہیں تضیع اوقات
ہے حقیقت میں وہی مصرف ومنشائے حیات

جاؤ خدام ادب سے کہ دو دن ڈھلتے
بچھے تاحد نگہ مسند زربفت و حریر

حسن ترتیب سے کچھ ایسا سماں پیدا ہو
ما بدولت کی طبیعت کو سرور آجائے

جشن مہتابی ہے موجود ہوں ارباب نشاط
ہمیں مقصود ہے دلداریٔ فن آجکی رات

جاؤ آرائش زلف و لب و رخسار کرو
نو نیازان خرابات کو تیار کرو

قصرشاہی کی جواں سال کنیزوں کا جمال
رات کو چاند ستاروں کے مقابل ہوگا

نقش طناز مقیمان گزرگاہ خیال
جادۂ کاھکشاں کو خط منزل ہوگا

جاؤ اس حسن خداداد کو اس اثنا میں
جاکے آسودۂ گلگونۂ راحت کرلو

(دردانہ سے جوجارہی ہے)

خوبروئی کو مگر حاجت مشاطہ نہیں

کس سے ہو سکتی ہے آرائش فردوس بریں

تم مرے ساتھ آؤ دردانہ

دردانہ عالیجاہ !

خیام جاناں یہ لب و لہجہ کی برودت کیسی

کیا اٹھا سکتے ہیں اخلاص کے نازک شانے

رسمی آداب کا یہ بار گراں، چپ کیوں ہو

اس خموشی میں کوئی کلفت مضمر تو نہیں

کوئی آزردگیٔ خاطر دلبر تو نہیں

رونق بزم ندیماں ہوگی دردانہ

یا مجھے مطرب شیریں کی نوا بخشوگی

اپنے جلووں کی چمن زاد ادا بخشوگی

دردانہ عالیجاہا میں تو فقط اک باندی ہوں

جس کو استاد ازل نے یہی سکھلایا ہے

اپنے آقا کے لئے سینہ سپر ہوجانا

نفیٔ ذات سے منظور نظر ہوجانا

آپ کی حکم عدولی کا تصور بھی ہے کفر

خواب و افسانہ کے مدہوش فسوں میں لپٹی
رات دن آپکی یادوں میں بسی رہتی ہوں
اس جگر سوختہ دل باختہ لب دوختہ کو
ایک لمحہ کی بھی فرقت ہے قیامت آثار
لیکن اس وقت مرا جانا ھی بہتر ہے حضور

سلمان (آگے بڑھتے ہوئے)
ٹھیک کہتی ہے یہ یونانی کنیز
اس کو رخصت کی رضا دیدیجے

خیام کون، سلمان ؟

سلمان حضور آپ کا ناچیز غلام

خیام (مصاحبوں سے) تخلیہ، دو گھڑی آرام کرو
نیمۂ شب کو لب آب رواں
جشن رامشگری برپا ہوگا
(دردانہ سے)

لیکن دردانہ تم ٹھہرو

میں ترے جسم کی ہر جنبش کا محرم ہوں
مابدولت کی حضوری کی تمنا ہے تجھے

دردانہ عالیجاہ، مگر آپ کا بھائی

سلمان
تیری
یہ جسارت کہ اب اشراف کے منہ آتی ہے
بے تکلف ترے لب پر مرا نام آتا ہے

خیام کیا نجابت بھی اجارہ ہے کسی کا سلمان
مری محبوب تری آنکھوں میں آنسو کیسے

سلمان اس کو بھی محرم اندوہ نہاں ہونے دو
اس کے اہریمنی عشووں کے تطاول کے طفیل
خانوادے اجڑے کیسے رستے بستے
تھی پذیرائی مزامیر و مغنی کی جہاں
ان حریموں میں محرم کی عذاداری ہے

خیام اپنی حیثیت کو بھول رہے ہو سلمان

ما بدولت کی جلالت کو مت جھنجھوڑو

سلمان کاش یہ ممکن ہوتا

دردانہ شہ والا اورنگ

مجھے جانے کی اجازت دیجے

خیام اس بداندیش کی صحبت سے حجاب اولیٰ ہے

جاؤ دردانہ مگر یاد رکھو

کہ جدائی کے یہ سنگدل لمحے

ہم پر شاق نہ ہونے پائیں

ہفت اقلیم تصدق تجھ پر

تاج شاہی کی ترے سامنے وقعت کیا ہے

(دردانہ رخصت ہوجا تا ہے)

سلمان تم یہ دونوں ہی گنوا بیٹھو گے

خیام حفظ آداب سے سلمان تجاوز نہ کرو

سلمان حفظ آداب؟ ابھی فکر زیاں باقی ہے

ظلم، آداب کی دیوار کو ڈھاتا ہوا ظلم
موت کے راگ نفیری پہ بجاتا ہوا ظلم
حرص رانی، استبداد کے جاں سوز شرار
چار سو بال کشا موج ہوس، موج خمار
خونچکاں صحن گلستاں میں حسینان بہار
چاند سے چہروں کو جھلساتی ہوئی صرصر قہر
آہنی جسموں کو پگھلاتی ہوتی تلخیٔ دہر
تیری سفاک، ستمگار بہیمیت نے
کاخ و کاشانہ میں کہرام مچا رکھا ہے
اور امصار و ولایات کی پہنائی میں
فتنہ پردازیٔ ترکان جفا پیشہ سے
سینوں میں محشر فریاد، فغاں ہونٹوں پر
قحط و ناداری ہے، نکبت و بربادی ہے
زندگی آج ترے ظلم کی فریادی ہے
مجھے معصوم عنیزہ کا خیال آتا ہے
اس کے بچوں کا جو اس تخت کے وارث ہیں اور
ان کی میراث کے آثار کے مٹنے کا ملال
اپنے اسلاف کی ناموس و حمیت کا خیال
ان کی مٹتی ہوئی اقدار کا افسردہ جمال

ان کے دیہات و مدائن کا شکوہ و اقبال
جو ترے فیض سے ادبار کے گرداب میں ہے
مضطرب ، منتشر افکار قیامت آشوب
زہر بن کر مری رگ رگ میں گھلے جاتے ہیں

خیام ان باتوں سے آخر ترا مقصد کیا ہے ؟

سلمان آنجہانی سے جو ترکے میں ملے تھے تم کو
آج وہ لوگ بغاوت پہ کمر بستہ ہیں

خیام ذرے خورشید سے آمادۂ پیکار ہوئے
سایۂ دامن شاہی میں وہ آسودہ نہیں
امن کی دولت وافر کو جو ٹھکراتے ہیں

سلمان رنگ محلوں میں حقائق کا گذر کیا ہوگا
آکے ٹکرائیں پہاڑوں سے سفینے تو انہیں
کبھی کچھ اور بھی ملتا ہے بجز داغ شکست
آپ کو ملک کے حالات سے کیا آگاہی
رخصت نالہ ہے یا اذن زباں بندی ہے

صفحہ تین سو پینتیس
زر داغ دل

آزادی ہے کہ ہر گام پہ پابندی ہے

خیام اہلکاران حکومت کی ہے غفلت ساری
ہم پہ عائد نہیں ہوتی کوئی ذمہ داری

سلمان آپ کو اپنے مشاغل سے فراغت بھی تو ہو
صحبت گلبدناں، شعلہ رخاں، سیم تناں
اور چلتا ہے دمادم مئے گلفام کا دور
ساقیٔ حور لقا ، مطرب مرغولہ نوا
سونا جسموں کا، نشہ آنکھوں کا، زلفوں کی گھٹا
گنج ادراک نثار رہ جانا نہ ہوا
مورث اعلیٰ کی روح بھی ہے شعلہ بجاں
کہ اس آغاز کا انجام یہی پستی تھی
رات دن دشت نوردی کا یہی مقصد تھا
مرے تعویذ لحد پر مرے فرزند سعید
بط و بربط کے شبستانوں کی تعمیر کریں
اپنے اجداد نے یہ نخل سریر آرائی
اپنے جسموں کی غذا دے کے برومند کیا
اسی خاطر کہ ترے نفس کا تنور بھرے

اور تیری بدمستی کی بدولت آخر
گیتی سے انکا نام و نشاں مٹ جائے
دور ایام کی نیرنگی پہ حیف آتا ہے
شیروں کی جولانگہ رمنہ غزالوں کا بنی
غم ماضی کی تلافی تو نہ ہوگی لیکن
بطن فردا میں ابھی لامحدود امکانات
بازوئے ہمت کو اذن عمل دیتے ہیں
اور شمشیر و سناں کے درخوش آب و ثمیں
منتظر بیٹھے ہیں مقدم دیدہ ور کے

خیام کوئی حاضر ہے ؟

ساقی حضور والا !

خیام ساغر آب بقا ، شربت اندوہ ربا

سلمان لعل ہستی کو تو شورابہ میں حل کردے گا
میں حقیقت کا بلوریں آئینہ لے کر
تجھے خوابوں کے فسوں ریز سمن زاروں سے

توجہاں عیش گریزاں کے نشے میں دھت ہے
زندگی کے پر اسرار شبستانوں میں
خوش اقبالی کا مژدہ لے کر، واپس
لینے آیا ہوں شاید سمع اقدس کو
مری باتوں پہ ملمع کا گماں ہوتا ہو
نبض گیتی میں دل عالمیاں کی دھڑکن
اضطراب دل گیتی کا پتہ دیتی ہے
زلزلہ آتا ہے وہ جس سے مفر مشکل ہے
وقت ہے اب بھی حضور آپ سنبھل سکتے ہیں

خیام زلزلہ کے یہ آثار و قرائن کیسے
مطلق الحکم شہنشاہ کے کروفر سے
کس اولوالعزم کو ہے تاب حریفائی کی؟
تاج و تخت ہمارا موروثی حق ہے
کس کو یارا ہے بغاوت کا علم اونچا کرے
کہیں درپردہ یہ انگیخت تمہاری ہی نہ ہو
بولو تم کو ہم سے کیا صدمہ پہنچا؟

سلمان اپنے صدمہ کا یہاں تذکرہ مقصود نہیں

خیام — تب بہن کی دلگیری پر دل کڑھتا ہے
بادشاہی کے لوازم، خدم و جاہ و حشم
کرۂ ارض کے انواع و اقسام کے عیش
نعمتیں لذتیں کس شے کی کمی ہے اس کو
پھر بھی ناخوش رہے تو کفران نعمت ہے

سلمان — سر و سامان زخارف کی حقیقت معلوم
تیری یونانی کنیزوں سے سیہ مستی کی
یاد آتی ہے تو یہ انعام و اکرام
زہر بن جاتے ہیں سلمان کی ہمشیرہ کو
ملکہ اپنا حق مانگتی ہے بھیک نہیں
تم تو گلچھرے آڑاتے پھرو قحباؤں سے
اور وہ محلوں کی دیواروں میں محبوس رہے
پھر بھی اس کے لب پر کوئی فریاد نہیں
وہ تقدیر کے اسرار خفی سے واقف
محو حفظ خودی، راضی بہ رضا رہتی ہے
اپنی یا اس کی محرومی کی بپتا
کے احوال کا لیکن یہ ہنگام نہیں
میں تو اس وقت یہ پیغام اہم لایا ہوں

کہ یہ دستور جہاں ہے کہ تغافل مشرب
بادشہ اپنا کفن آپ سیا کرتے ہیں
اس پہ تاریخ اقوام و ملل شاہد ہے

خیام ہم نے درماندہ رعایا کو بطیب خاطر
امن و آزادی کی جاگیر فراواں بخشی
ان غلاموں کی اولاد کو آخر اپنے
عافیت کوش شہنشاہ سے شکوہ کیا ہے
ہم بھی بابل کے مناروں پہ کمندیں پھینکیں
اور اہرام کی تعمیر میں ان کو جوتیں
تو یہ آسودگی دشمن آسودہ ہونگے؟

سلمان یہ فتوحات بھی ارباب جواں ہمت کو
پردۂ سازو بط مے سے کہیں خوشتر ہیں
بربط و چنگ سے شمشیروسناں بہتر ہیں
دلبری عشوہ گری عورتوں کا زیور ہے
محکمی کوہ کنی مردوں کا جوہر ہے

خیام عشرت نغمہ و افسون محبت کے بغیر

صفحہ تین سو چالیس

زرداغ دل

ایک زندان بلا ہے یہ محنت آباد
طرفہ اسرار لب یار کی نیرنگی سے
اک طلسمات مرقع ہے یہ معمورہ بھی

سلمان اک شہنشاہ کو لیکن یہ عمل زیبا ہے
کیا رعیت کے لئے اس کا یہی اسوہ ہے

خیام پابگل خلقی آلائشوں سے تر دامن
بشریت کے گرانبار سلاسل میں اسیر
لغزش و توبہ کی تکرار نوشتہ جس کا
جو سمجھتا ہے کہ باقی سب مردوزن بھی
ابن آدم کی طرح، دختر حوا کی طرح
تیر پرتاب و ساوس کے بے بس نخچیر
فرصت زیست مشقت سے عبارت کیوں ہو
آب شمشیر سے جسموں کی طہارت کیوں ہو
دولت سوز خداداد اکارت کیوں ہو
جوہر روح قدس وقف خسارت کیوں ہو
میں تو اس جنگ وجدل پر نفریں بھیجتا ہوں
چھین لیتی ہے جو انساں سے خوئے انسانی

آدمی آدمی سے دست و گریباں کیوں ہو
زندگی کا کوئی اور مصرف سنجیدہ نہیں
کیوں نہ انسان اسے رہن مئے ناب کرے
آخر اس شیوۂ رندی میں قباحت کیا ہے

سلمان قصر دلشاد کا انجام قریب آپہنچا

خیام کیا مطلب ؟

سلمان
یہ دشمن کے نرغے میں ہے
مشعل شب کے گل ہونے سے پہلے شاید
آل دلشاد کے اقبال کا روشن تارہ
رات کی تاریکی میں بجھ کر رہ جائے

خیام سازش، مکر، دغا

سلمان
اب بھی حضور
کچھ بگڑا نہیں، خاتم جو عنایت ہو اسے
تو ابھی یہ خانہ زاد نمک پروردہ

آن واحد میں سب مفسدہ پردازوں کو
فیض نمرود سے واصل بہ جہنم کر دے

خیام یہ سرکش مگر اندازاً کتنے ہوں گے

سلمان مصلحت وقت کی عجلت کی صدا دیتی ہے
کس کے اوسان خطا ہیں کہ وہ اعداد و شمار
میں اس فرصت پر مایہ کو برباد کرے

خیام سلطنت کی سہر اسرار خدائی میں سے ہے
جس میں مخفی ہیں فسوں قدرت بے پایاں کے
یوں کس طرح اسے تیرے حوالے کر دوں
اور ہم کو خونریزی کا حق بھی کیا ہے

سلمان جو تری جان کے در پے ہوں انہیں جینے دیں

خیام یوں تو مشکل ہے جواب اس کا پہ اثبات میں ہے
قتل و غارت کے سوا اور کوئی چارہ نہیں
کون ہیں وہ، ان کو زیر حراست کر لو

سلمان طفل ناداں نہیں سیاس جہاندیدہ ہوں
رگ جاں سے بھی ہے ناموس وطن مجھ کو عزیز
میں روایات اب و جد سے بے بہرہ نہیں
مجھ سے پوشیدہ نہیں راز جہانبانی کے

خیام اعتماد کامل ہے مجھے تم پر سلمان
یہ لو مہر

(مہر شاہی اس کے حوالے کرتا ہے)

سلمان اک اور بھی استدعا ہے مری

خیام وہ کیا

سلمان آج کی شب شاہ جہاں
جشن مہتابی کی تقریب کو منسوخ کریں!

خیام جشن مہتابی کی تقریب کو منسوخ کروں!
اک شہنشاہ کی جبروت نگوں ہوجائے
اس طفلانہ تصور پہ ہنسی آتی ہے

اپنے جادہ سے ہٹا ہے کب تقدیر کبھی؟

سعیٔ انساں سے مٹی لوح کی تحریر کبھی؟

تاجور کا سرِ سرکش کبھی جھک سکتا ہے؟

ان سوران فرومایہ کی یہ تاب و تواں

کہ سلیماں کے دربار پہ یلغار کریں!

التوا جشن کی تقریب کا ناممکن ہے

کوئی ترمیم کوئی رد و بدل ناممکن

صبح تک پھرتی رہے گی بطِ مے دست بدست

چھوڑ دے جام صبوحی کو بلا نوش الست

اور پیمان وفا کو کرے مرہون شکست!

سلمان پر کم از کم پورے وقت مسلح رہنا

بارے اس روح نیاگاں کو فروزاں رکھو

جس نے ڈھونڈا ہے نشیمن ترے ایوانوں میں

تم میں جوہر مردانگی موجود تو ہے

جو معاصی کی شب تار میں گاہے گاہے

شعلۂ برق کی مانند چمک اٹھتا ہے

لیکن باد مخالف کی گراں چشمی سے

ایک دو ثانیہ کے بعد ہی بجھ جاتا ہے

ہو اگر عزم مصمم تو کوئی بات نہیں
بازگشت اس شان و شوکت پارینہ کی
جس سے آبا نے جواں بختی کے جھنڈے گاڑے

(رخصت ہوجاتا ہے)

خیام اس کی پیشانی پہ اقبال کی تابانی ہے
اور کف دست میں توقیع سلیمانی ہے
وہ ذرا سخت طبیعت کا مالک ہے مگر
ایسی ریشہ دوانی کو کچلنے کے لئے
خوئے تسلیم و رضا شاید ناکام رہے
اس کو ہے فکر جہاں، فکر جہاں کرتا رہے
فرصت عمر رواں صرف زیاں کرتا رہے
زلف دوراں کے خم و پیچ کے سلجھانے میں
دل سی پارہ کو خونابہ فشاں کرتا رہے
کس نے سلجھایا ہے یہ مسئلۂ سود و زیاں
ہے ازل سے وہی انداز جہان گزراں
موت برحق ہے تو پھر موت سے ڈرنا کیسا
مرنے سے پہلے ہی دن رات یہ مرنا کیسا
میں تو کہتا ہوں کہ فردوس بریں ہے دنیا

مبدأ فیض نے توفیق طرب بخشی ہے
فکر عقبیٰ ہی فقط قسمت انساں کیوں ہو
مجھ سے یہ تاج و نگیں چھن بھی جائیں تو کیا
سایۂ ابر گریزاں یہ تخت و دیہیم
اک مشت خاکستر یہ دیار و اقلیم
میں نے چاہا ہے خوباں سے محبت کی ہے
داورِ عشق کی سرکار مغاں شیوہ سے
دردِ مہجوری کے لذتیں محبوبی کی
لحن بلبل کا لرزش گل داؤدی کی
ہر طرح ہوتی رہی ذوق نظر کی تسکیں
اے دیدہ وری اس بارگہ سرمد سے
دل شاداں نے کیا کسب فیوض و برکات
وادیاں فیض تجلیٰ سے ایمن ایمن
سینے داغوں کی بہاروں سے گلشن گلشن
زندگی میرے لئے ایک نگار پرفن
جس کے جلووں سے فضائے دل و دیدہ روشن
میں جو تلوار اٹھاؤں تو یہ مجبوری ہے
میری دلدادگیٔ فن چبھے کانٹوں کی طرح
مری نرمی نے بغاوت کے جراثیم اگلے

صفحہ تین سو بیتالیس

زندہ داغ دل

جس سے یہ متبادر ہے کہ ان لوگوں کا
ان غلاموں کا سیہ منظر دام و دد کا
کوئی درماں اگر ہے تو وہ شمشیروشلاق
کہ یہ آئین شرافت سے بے بہرہ ہیں

(ایک خادم داخل ہوتا ہے)

خیام (خادم سے)
مابدولت دردانہ کو طلب کرتے ہیں

خادم عالیجاہ وہ حاضر ہے در دولت پر

(دردانہ داخل ہوتی ہے)

خیام خوب۔ چشم ماروشن

(خادم سے) رخصت!

(خادم رخصت ہوجاتا ہے)

(دردانہ سے) اے گل سرسبد فصل بہار
دھڑکنیں دونوں دلوں کی ہم آہنگ ہوئیں

پردۂ دل پہ ترا نقش بہاریں اُبھرا
اور تو باد بہاری کی طرح آپہنچی
جذب پنہاں کا تصرف بھی عجب ہوتا ہے
مقناطیس و آہن کی پر اسرار کشش
برقی رو کی طلسماتی کیفیت سے
دو جسموں میں بیک وقت بیکساں شدت
ایک آشفتگیٔ سوز جنم لیتی ہے

دردانہ عالیجاہ!

خیام ولی نعمت و گیتی آرا
آسماں تخت و جہاں بخت و فلک بارگہا
گردوں تاز و ہما صید و سلیماں جاہا
یہ گرانبار و گراں سیر و گراں قدر القاب
مسلک شید و ریا، شیوۂ سالوسی ہیں
چاپلوسی نے کیا شیروں کو روباہ مزاج
گفتگو کا کوئی انداز صمیمانہ نہیں؟
جس میں آمیزش آداب گرانبار نہ ہو
دوستی بار حجابات اٹھا سکتی ہے؟

جن گلنار و حسیں نرم و سبک ہونٹوں سے
ہم نے ناسفتہ جوانی کی حلاوت لوٹی
سوزِ وارفتگیٔ شوق کے انگارے چنے
لذت و درد کے وہ رمز و کنایات پڑھے
جن کی آغوش میں تقدیر نمو پاتی ہے
ہم یہ بیگانہ تخاطب بھلا سن سکتے ہیں؟
تم کہو تو ہم اسباب حشم ٹھکرا کر
چشمہ و وادی و کہسار میں آوارہ پھریں
سرمدی حسن کے دلسوز ترانے چھیڑیں
گل خود رو سے کبھی لالۂ صحرائی سے
بوسوں پہنائی ایام کو مہکاتے رہیں
جوئے شیریں کے کنارے کہیں سستاتے رہیں
سایہ سرو خراماں میں چناروں میں کبھی
عشق کی آگ دل و دشت میں سلگاتے رہیں

دردانہ ہائے یہ ذکر وفا کتنا نشہ آور ہے

خیام تو نے بھی اس کو محسوس کیا تھا جاناں؟

دل بھی اک طرفہ طلسمات کا گنجینہ ہے
وہ بھی اک کشتۂ اندوہ وفا عورت کا
شعلہ شعلہ، شبنم شبنم، تفتیدہ، گداز

خیام ساحرہ ، سحرزدہ عالم تخئیل میں ہے
ابھی سلمان یہ منحوس خبر لایا تھا
بندگان شاہی کو خطرہ لاحق ہے

دردانہ آپ کی جان کو خطرہ

خیام ہاں اک سازش سے
ہم بھی لیکن کیا موضوع سخن لے بیٹھے
چھوڑو ان بیہدہ افکار میں کیا رکھا ہے
رات کے جشن طرب کے متعلق سوچیں

دردانہ یہ مگر جشن کے اذکار کا ہنگام نہیں

خیام ڈرتی ہو؟

دردانہ میں یونان کی باشندہ ہوں

جس جگہ موت ہے بازیچۂ اطفال فقط
پھر مجھے دامن دولت سے جو وابستہ ہوں
اپنی آزادی کے اتلاف کا بھی خطرہ نہیں
میرا اندیشہ غم عشق کا پروردہ ہے

خیام تم ہمیں دولت کونین سے بھی افضل ہو
پھر بھی ہم فکر زیاں سے غم جاں سے آزاد

دردانہ آپ کا جاذبہ شوق ابھی نارس ہے
جسم محبوب سے عاشق کو گوارا ہو فراق
یہ زیاں کوشئ ذوق طلب و استغنا
قریۂ عشق میں تعزیر کی مستوجب ہے
دل کی جاگیر ہو یا شہر ود یار اقلیم
اتنے آساں تو نہیں اس قدر ارزاں تو نہیں
کہ خس وخاش گلستاں سے بھی کم مایہ ہوں
میں نے چاہا ہے تجھے تیری پرستش کی ہے
اضطرارانہ علی الرغم مزاج یوناں
جو شہنشاہوں کی طاعت سے ابا کرتا ہے
اپنی افتاد اپنے مسلک و منشا کے خلاف

ایک بے نام پراسرار کشش سے مجبور
تیرے ہر نقش کف پا پہ جبیں سائی کی
اکثر پندار نسوانی کے ہاتھوں
میرا سینہ ہدف طعن و ملامت بھی رہا
پر بڑھتا ہی رہا ذوق عبودیت کا
جس کی خاطر میں آسائش جاں بھول گئی
جس پہ رعنائی ایام نچھاور کردی
وہ صنم خانۂ دل رہگزر سیل میں ہو
وقت کی مصلحتیں صبر کی تلقین کریں
اے غم عشق دہائی ہے دہائی تیری

خیام ناز پروردہ مری شاہد گل پیراہن
جاں نثاری کے اس ایمائے جنوں میں کیا ہے
جو مجھے بیخود و سرمست کئے دیتا ہے
مجبوری ہے کہ اس طبع صفا مشرب کو
راس آتا ہی نہیں معرکۂ جنگ و جدال
کیا کوئی امر الہی ہے ستیزہ کاری

دردانہ بادشاہوں کے لئے قوت لابدی ہے

جاہ و تمکیں کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں
تاجداری فقط آسائش نظارہ نہیں
خوبیٔ خال و رنگینیٔ رخسارہ نہیں
غمزۂ ناھید و نجمہ و مہ پارہ نہیں
کسی آھوئے آوارہ کا طرارہ نہیں
کرم خاص خداوند ھیں یہ تخت و نگیں
حزم و حکمت پہ ھے موقوف استحکام دیں
سر و سامان آرائش محفل ھی نہیں
تختۂ دار بھی بن جاتی ھے شاخ نسریں
بادشاھی تبر و تیغ و سناں، تیر و کماں
یہ ھے شیرازۂ اجزائے پریشان جہاں

خیام نسیہ و نقد دو عالم کی حقیقت معلوم
مبدأ فیض سے اپنے لئے مقسوم ھوئے
چمن آرائی و رامشگریٔ مہر و وفا
ناز فرمائی و دلجوئی ارباب صفا
خود فراموشی و خود کاھی و تسلیم و رضا
ہجرہ تیار ھے دردانہ شتابی آٹھو
تیرے دیدار کو لب تشنہ ھیں امواج فرات

(کافور داخل ہوتا ہے)

کافور دیوتا شاہ کو تا دیر سلامت رکھیں

خیام اس انداز تخاطب سے ہمیں نفرت ہے
کہو کیا کہنا ہے

کافور جاں کی اماں، ذرہ نواز
بندگان عالی کے سمع اقدس میں
سلطان اس استدعا کو دہراتا ہے
کہ حضور آج کی شب جشن میں شرکت نہ کریں
باہر خطرہ کے بادل منڈلاتے ہیں

خیام سپہر و مہ کو یہ سماں دیکھنا باقی ہے ابھی
ما بدولت کے ارادہ میں تزلزل آئے
ہم سلطان کی درخواست کو رد کرتے ہیں
دشمنوں کی کوئی طاغوتی طاقت بھی
سر مو ہم کو ہراساں نہیں کرسکتی ہے

دردانہ اپنے جانباز کی درخواست کو مشکور کرو

عیش و عشرت کے مواقع تو کئی آئیں گے
لیکن احساس نزاکت بھی تو لازم ہے
آج کی رات یہیں محلوں ہی میں رک جاؤ
تیرے اسلاف ترے وارثوں اور خود تیری
عظمت و عزت و ناموس سر دار پہ ہے
فیصلہ منصف تقدیر کا دیکھیں کیا ہو
پھر بھی لازم تو ہے تدبیر کی رزم آرائی

کمتر خانہ زادوں کی گزارش کو حضور والا
کرم خاص سے تشریف اجابت بخشیں
ہاتف غیب کی آواز ہے عالیجاہا

خیام ہم مگر اس درخواست کو ٹھکراتے ہیں

دردانہ تاج و اقلیم ؟

خیام اک موہوم سراب

دردانہ اس گزارش کو حقارت سے نہ یوں ٹھکراؤ

اقتضا وقت کا دیکھو خود کو پہچانو

خیام اس سخن کو کرو موقوف طلوع خورشید

دردانہ اور اگر رات ہی صیاد اجل ثابت ہو

خیام موت کے پنجہ میں جانا ہی مقدر ٹھہرا
تو اسے کیوں نہ لب نے سے خوش آیند کہیں
ناگہاں مرنا سسکنے سے کہیں بہتر ہے
اپنے ریعان جوانی ہی میں مر جائیں تو خوب
قسمت شیب فقط نالۂ عہد گزراں

دردانہ حفظ ناموس وطن سے تمہیں تسکین ہوس
ایک آسودگی ہر لمحہ گریزاں وہ بھی
کیا بہت پیاری ہے

خیام پیاری دردانہ نہیں

دردانہ تب دردانہ کی خاطر ہی رک جاؤ

خیام — اپنی دردانہ کی خاطر

دردانہ — مرے ملجا ماوی

نینوا کے تخت آرائے فریدوں فر سے
اس کی دردانہ فقط جینے کا حق مانگتی ہے

خیام — جاں بھی مانگو تو بلاچون و چرا حاضر ہے
ما بدولت سر تسلیم کو خم کرتے ہیں
(کافور سے) جاؤ کافور کھڑے کیا ہو

کافور — اطاعت!

(چلا جاتا ہے)

خیام — پیاری
اس اصرار کے آخر پس پردہ کیا ہے؟
اتنی سی بات پہ تم لرزاں ترساں کیوں ہو
جان سے بڑھ کے ہو ناموس وطن جسکو عزیز
اس کو بے حرمتی اس کی ہو گوارا کیوں کر

ان شریانوں میں بلوانوں کا خوں بہتا ہے
ہم شہنشاہ ہیں ناموس نیاگاں کے امیں
ان کی تاریخ و روایات و سیر کے وارث
لئے دستور نئی رسم و روش کے خالق
کبھی چھن سکتی ہے ہم سے یہ جواں حوصلگی ؟

دردانہ کاش یہ جذبۂ دل زندہ و پایندہ رہے

خیام ان بے صرفہ باتوں میں کیا رکھا ہے
زندگی کے تر و تازہ مدھ متوالے سمے
دل زندہ کو بہکنے کی صلا دیتے ہیں
کاخ دلشاد میں آراستہ پیمانہ و جام
تشنہ کاموں کو اہلاً سہلاً کہتے ہیں
نہ سہی ریگ رواں، سبزۂ ساحل نہ سہی
مژدہ اے عشرتیاں، جلوتیاں، پردگیاں
کاخ دلشاد میں خوشبوئے مئے ناب تو ہے
مطرب و ساقی تو ہے بربط و مضراب تو ہے

(چلا جاتا ہے)

دردانہ

میرے دل میں یہ محبت کی خلش کیسی ہے
لالہ رخ میرے وطن کی جو کبھی چاہتی ہیں
تو اولوالعزموں، جہانداروں، سلحشوروں کو
نزہت عارض و لب، مایۂ جاں سونپتی ہیں
بلبلیں صحن گلستاں میں گلوں کی دمساز
موئے زنجیر ہوا کاکل پیچاں مجھ کو
نظر آتی ہے سحر شام غریباں مجھ کو
نہ کوئی راز رہا اور نہ کوئی محرم راز
غم کے نشتر مری رگ رگ میں چبھے جاتے ہیں
یہ غم عشق بھی کیا طرفہ بلا ہے یارب
گلشن دہر میں ہر گل کی قبا خونیں ہے
دل ہے پہلو میں کہ اک شعلۂ جوالہ ہے
پارہ سیماب کا یا آگ کا پرکالہ ہے
کسی کروٹ کسی پہلو جسے آرام نہیں
عیش آغاز تو ہے عشرت انجام نہیں
کہیں خوبان دلآرام نکو نام نہیں!

مخمور مضمحل مہر جہانتاب شفق پوش ہوا
رہ نوردان جہاں گشت و فلک پیمانے
کارواں گاہ شبستاں میں پڑاؤ ڈالا
کوچے ویران ہوئے قصر و نشیمن آباد
اختر شام کی مستوری و محجوبی سے
پردۂ غیب کے اسرار نظر تاب ہوئے
پھر نہ ابھرے گا یہ خورشید جہانتاب کبھی
اور جو ابھرا تو اس ایوان کی بربادی پر
نوحہ گر، نالہ چکاں، مرثیہ خواں ابھرے گا
آل دلشاد کا ہنگام رحیل آ پہنچا
ان کے اقبال کی قندیل بجھا چاہتی ہے
یہ شب اس کا نفس باز پسیں ہے شاید
لوح تقدیر میں آویزش کجدار و مریز
نقش بنتے ہیں ابھرتے ہیں بکھر جاتے ہیں
یہ سفیران قضا دیکھیں کدھر جاتے ہیں

صفحہ تین سو اکسٹھ

زرداغ دل

(اجلال ایک عقبی دروازہ سے داخل ہوتا ہے)

اجلال سیاروں نے کیا خوشخبری دی مخمور
منتظر جس کے تھے ہم وہ رات آپہنچی

مخمور سالک راہ کو منزل سے صدا آتی ہے
اس گزرگاہ میں کچھ سخت مقام آتے ہیں
ایسی کچھ دور نہیں منزل مقصود مگر
ہر قدم موت کی وادی سے گزرنا ہوگا

اجلال کیا مقدر میں نہیں اپنے نوید نصرت

مخمور فتح مقسوم ہے لیکن فاتح نامعلوم

اجلال قسمت فاتح کو سر نہاں رہنے دو
پورے چوکس ہیں جوانان جگردار اپنے
یہ جری عزم وغا کرتے ہیں بے ساز و یراق
آج آراستہ پیراستہ ہے شط فرات
صف بہ صف خیمۂ زربفت و حریر استادہ
تاکہ وہ رقص و سرود و صہبا کا وسیا

صفحہ تین سو باسٹھ

زر داغ دل

جشن مہتابی منائے داد عشرت دے

اپنی تقدیر کا پانسہ اگر اُلٹا نہ ہوا

مئے لعلیں کا چھلکتا ہوا پہلا جرعہ

شاہ والا کے لئے زہر ہلاہل ہوگا

مخمور بادشاہوں کی اجل اسقدر آساں بھی نہیں

اور سلطان کہ ہے میر عساکر اس کا

جس قدر سمجھے ہو تم اتنا زیاں کوش نہیں

کہ بدلتے ہوئے حالات سے بے بہرہ رہے

تیر پرتاب نگہ اس کی مانند عقاب

جوہر جنبش موہوم کو پہچانتی ہے

(اخطل داخل ہوتا ہے)

اخطل بادشہ جشن شبانہ میں مغاں زادوں کو

یاد کرتے ہیں،

مخمور لب نہر فرات

اخطل نہیں قصر شاہی میں

اجلال — یہ تغیر کیسا

مخمور — یہ اچانک تبدیلی کیسی

اخطل — اس مضمون کی تشریح سے قاصر ہے غلام
چوں چگونہ سے پیغام رساں کو کیا کام
جاسکتا ہوں ؟

اجلال — ٹھہرو ؟

مخمور — اجلال !
اسے کیوں روکتے ہو جانے دو
(اخطل سے)
خانہ زادوں کا شہنشاہ سے بعد از تسلیم
یہ معروض کہو آپ کے ناچیز غلام
آپ کی شوکت بے شبہ و بے ہمتا کی
عجز مندانہ فزونی کی دعا کرتے ہیں
رات کے بارہ بجے ہے، نا؟

اخطل	جناب عالی !

(چلا جاتا ہے)

اجلال	اس تغیر کے پس پردہ کوئی راز نہ ہو

مخمور	کیا تلون میں کوئی راز نہاں ہوتا ہے
رنگیلے من کی رنگیلی سوچیں ہیں
ہر لمحہ کے جلودار ہزاروں نیرنگ

اجلال	رنگ و نیرنگ کا لیکن یہ شگون اچھا نہیں
اپنی تدبیر کا یہ پہلا ہی وار اوچھا پڑا

مخمور	اتنی سی بات پہ تم حوصلہ کیوں چھوڑتے ہو
جان لو سطوت اسباب گراں ٹوٹ گئی
یہ تو معشوقۂ تقدیر کا اک غمزہ ہے
امتحاں شیشہ و پولاد کا جس سے مقصود

اجلال	امتحاں گو یہ اصالت کا اصابت کا سہی
پھر بھی ہمت مردان بلا پیشہ کو

وقت کے پیش نظر دیدہ وری لازم ہے

مخمور نصرت کی دیوی تیرے قدم چومے گی

یہ میدان ترے ہاتھ رہے گا اجلال

کون؟

(سلمان داخل ہوتا ہے)

سلمان مغ زادو!

مخمور حضور والا!

سلمان دونوں سے خوب ملاقات ہوئی

اس جگہ تم کو مگر پانے کی امید نہ تھی

مخمور کیا غلام اس کی وجہ پاسکتے ہیں

سلمان بے شک

بارہ بجنے میں ابھی ایک گھڑی باقی ہے

مخمور بارہ، بارہ بجنے میں، یعنی

سلمان : کیا تمہیں شاہ کا پیغام نہیں پہنچا ہے

کاخ دلشاد میں جب جشن کا ساماں ہوگا

مخمور ہم تو دعوت کو بھلا بیٹھے تھے

سلمان اک شہنشاہ کے پیغام کی توقیر ہے یہ!

مخمور پر یہ پیغام ابھی پہنچا ہے

سلمان تب تم اس جگہ کیسے آئے؟

مخمور ہم تو آئے تھے پئے عرض نیاز و تسلیم

پر شہنشہ کی زیارت سے مشرف نہ ہوئے

سلمان کتنے پیوند ہیں ملبوس ریاکاری میں

یہ بہانہ طلبی مکر کی مکاری کی

مجھ پہ لیکن اثر انداز نہیں ہوسکتی

میں مکائد کے ہر انداز کو پہچانتا ہوں

(برق انداز داخل ہوتے ہیں)

تلواریں مری تحویل میں دے دو دونوں!

مخمور (اپنی تلوار حوالے کرتے ہوئے)

بسر و چشم

اجلال امیر عسکر میں دم ہے

تو ذرا تیغ شرر بار کے جوہر دیکھے

سلمان (برق اندازوں سے)

اپنی شمشیر درخشاں کو ذرا کوندنے دو!

مخمور (اجلال سے)

کیوں حماقت پہ تلے ہو اجلال

نازکی وقت کی کہتی ہے خم ہوجاؤ

اجلال مسلک ہمت مردانہ کی توہین ہے یہ

کسی قیمت پہ بھی میں جھکنے کو تیار نہیں

زندگی ذوق ترفع کے سوا کچھ بھی نہیں

ذلت و خواری سے موت کہیں بہتر ہے

صفحہ تین سو اکاسٹھ

نور داغ دل

سلمان (برق اندازوں سے)

جان نثارو کھڑے کیا دیکھتے ہو

سلطنت کے اس باغی کو نافرمانی

کا انعام جزیلہ دے دو

(برق انداز اجلال پر حملہ آور ہوتے ہیں،
لیکن وہ اس بے جگری سے لڑتا ہے کہ
آخر انہیں پسپا ہونا پڑتا ہے)

سلمان اپنی تلوار کو آخر مجھے لہرانا پڑا

(خود مقابل ہوجاتا ہے)

متقابل ہے مقابل میرا
رک گیا، دیکھ روانی میری

(خیام مصاحبوں کے ساتھ داخل ہوتا ہے)

خیام مرے محلوں میں مرے سامنے یہ گستاخی

تم دوانے تو نہیں عقل کے دشمن تو نہیں

ما بدولت کی اہانت پہ جو آمادہ ہو

(سلمان، اجلال ایکدوسرے سے الگ ہوجاتے ہیں)

خیام کون تلوار اٹھاتا ہے مغاں زادوں پر؟

سلمان میں

خیام کس نے تمہیں خونریزی کا پروانہ دیا؟

سلمان (خاتم شاہی دکھاتے ہوئے)
شہ والا کی توقیع سلیمانی نے

اجلال مہرشاہی!

خیام
مگر اس کا یہ مصرف تو نہیں
دونوں اپنی تلواروں کو میاں میں کرلو
اس ہنگامۂ خونیں کا باعث کیا ہے

سلمان حق و انصاف کی آویزش غداری سے

خیام یعنی یہ دونوں مغ زادے محسن کش ہیں
ما بدولت کو مگر کیسر باور آئے!

صفحہ تین سو ستر

زر داغ دل

مخمور پر اس الزام خیانت کا ثبوت !

سلمان ترے ہم پیشہ کی تلوار میں ہے

اجلال بارہا جو شہ والا کی حفاظت میں اٹھی

سلمان وہی شمشیر دو دم اج بہ حفظ اوقات
شاہ کے خون سے گلگونہ قبا ہونے کو ہے

خیام ہم سمجھتے ہیں تمہاری یہ غلط فہمی ہے
ہم کو اجلال سے اس امر کی امید نہیں

سلمان بندہ اس سہر سلیمانی کو لوٹاتا ہے

خیام لوٹانے کی حاجت نہیں۔ لیکن سلمان
استعمال میں اس کے یوں عجلت نہ کرو

سلمان میں نے ناموس خداوند کی خاطر اس کو
استعمال کیا تھا ، اعلیحضرت اسے

اب اجلال کی تحویل میں دے دیں

خیام اس کو

اس کے رکھنے کا زیادہ استحقاق ہے، ہم

اسے اپنا سچا مونس غم جانتے ہیں

سلمان اس غمخواری کی غایات عیاں ہونے دیں

جب سب راز فروبستہ ہویدا ہوں گے

مخمور ان کو تو دامن دولت کے ہوا خواہوں سے

ہندہ پرور کوئی بغض للٰہی ہے

سلمان اے مغاں زادہ ترے خرقۂ سالوسی میں

مکر و تزویر کے اجرام سیہ پلتے ہیں

میں تیری رگ رگ نس نس سے واقف ہوں

مخمور میں خداوند نعمت کی اماں چاہتا ہوں

خیام ما بدولت تم دونوں کو اماں دیتے ہوئے

آج سے ذمہ٭ خدمت سے رہا کرتے ہیں

تم دونوں کی دیرینہ خدمات جلیل

تم کو سازش کی اہانت سے بری کرتی ہیں

آؤ سلمان چلیں

(خیام، سلمان اور مصاحب چلے جاتے ہیں

مخمور اور اجلال تنہا رہ جاتے ہیں)

اجلال میرے زباں دان نجوم!

کس انداز سے اس چال میں شہ مات ہوئی

مخمور ڈر نہیں دوست یہ ایوان شہی اپنا ہے

اپنے قدموں پہ یہ اقلیم نگوں ہونے کو ہے

اجلال خود فریبی کی بھی اک حد ہوتی ہے مخمور

ہم کہ معتوب خداوند بحر و بر ہیں

ہر لمحہ جنہیں اندیشہ٭ جاں لاحق ہے

یہ رہائی تو اسیری کا سر و سامان ہے

مخمور وہی فرصت ہے وہی رات وہی جشن طرب

کے وقت ہاتھ میں فرمان شبخوں بھی وہی

دنگا بادم آورد کو کیوں کھوتے ہو

آؤ دوست کہ یہ رات ڈھلی جاتی ہے

اجلال میں غدار سہی لیکن کم ظرف نہیں

اپنے محسن پہ یہ تلوار نہیں اٹھ سکتی

کس طرح اس کی صمیمیت کو ٹھکرادوں

خسروانہ کس تمکیں سے جاں بخشی کی

مجھ سے احسان کا کفران نہ ہوگا مخمور

مخمور پرستاروں کی زباں تو کچھ اور کہتی ہے

اجلال پاؤں مفلوج ہیں ہاتھوں کی تواں رخصت ہے

اب دل کو حرکت ہی نہیں ہوتی اے دوست

محسن کش کہلانے کی مجھے تاب نہیں

مخمور اس سفینہ کو پھر میں تنہا کھیتا ہوں

تخت پر بھی تو فقط ایک کی گنجائش ہے

اجلال پر وہ خالی تو نہیں میرے دوست

مخمور بلکہ خالی سے زیادہ

اک گلبانگ دمار

اپنے ابنائے وطن کی سینہ چاک پکار

مجھے اقدام خونیں پر اکساتی ہے

صف جنگاہ میں اسرار بقا پوشیدہ

زندگی کیا ہے فقط معرکہ، فتح و شکست

ذلت ناصیہ سائی سے شہادت اولیٰ

(کافور داخل ہوتا ہے)

کافور سغ زادو یہ فرمان ہوا ہے تم کو

ابھی اس رات اپنی اپنی جاگیروں کو

کوچ کا قصد و آہنگ کرو

مخمور اپنی سب جمعیت لے کر

کافور تم تمہارا سامان اہل عیال

اجلال لیکن

کافور تیغ دو دم چوں و چرا کا پاسخ

میرا کام اس کی ترسیل ہے تفسیر نہیں

(چلا جاتا ہے)

مخمور اب سوائے خم ہونے کے کوئی چارہ نہیں

اجلال بے شک بے شک فرمان قضا ناطق ہے

مخمور اب زندان بلا میں کاٹو عمر عزیز

اجلال میرے خوابوں کی تعبیر چلیپا نکلی

تاجداروں کے تلون کا مجھے ہوش نہ تھا

کبھی فطرت کے نوامیس بدل سکتے ہیں

ہم کو مقسوم ہوا شہر خموشاں کا سکوت

کیسے میں ہاتف غیبی کی صدا بھول گیا

عاقبت منزل ما وادیٔ خاموشان است

حالیا غلغلہ در گنبد افلاک انداز

پا فشاری کی سزا ذلت گمنامیٔ مرگ

اپنے مسلک کو بدلنا ہی پڑیگا مجھ کو

مخمور وقت نازک ہے پس و پیش سم قاتل ہے

ابھی آمادۂ پیکار ہے لشکر اپنا

ابھی کچھ بگڑا نہیں وقت کی آواز سنو

آؤ میرے بھولے بھالے دوست

(نکل جاتا ہے اجلال بھی پیروی کرتا ہے)

(خیام اور سلمان داخل ہوتے ہیں)

خیام کس تدبیر سے ہم نے انہیں قابو میں کیا

اب تو اس ریشہ دوانی سے محفوظ ہیں ہم

سلمان آپ ان پھولوں کی بو سونگھتے ہیں

جن کی ہر پتی ہے مارسیہ پیچیدہ

خیام سرحد میں ہمیں ان سے کیا اندیشہ ہے

سلمان وہ سرحد پہ نہیں شہر کے بازاروں میں ہیں

مجھے رخصت کی اجازت دیجے

خیام لیکن جشن میں شرکت نہ کروگے سلمان

سلمان رقص و نغمہ سے اہم تر ہیں اور ساکی
اپنی عم خطرہ میں ہے حفظ حدود اقلیم

خیام موقوفی کی سزا ان کے لئے کافی نہیں
مابدولت نے انہیں جاں کی اماں بخشی ہے

سلمان الفاظ آخر لوٹائے جا سکتے ہیں

خیام وہ زبان ایک فلک مرتبہ سلطان کی تھی
اپنی جاگیروں کو وہ لوٹ گئے اب چھوڑو

سلمان اپنی جاگیروں کو اصلاً نہیں لوٹے وہ حضور
شورش کا خطرہ ہے مجھے جانے دیجے

خیام خوب، جاؤ پر ہر حال میں وہ زندہ رہیں

بسرو چشم جناب والا

(رخصت ہو جاتا ہے)

سلمان وہ کہسار کے مانند ہے سنگلاخ و درشت

ہم خوشبو سے مہکتی ہوئی اک وادیٔ گل
جو سدا نافہ و عنبر میں بسی رہتی ہے
گو ہم سود فراموش زیاں کوش نہیں
جادۂ رفق و مدارا میں پالغز بھی ہیں
دبدبہ تاج کا تمکین و تطاول ہی سے ہے
کیا کریں ذوق خداداد سے مجبور ہیں ہم
طبع ان حرف و حکایات سے رم کرتی ہے
نہ سرو برگ ستائش نہ دماغ نفریں
کوئی افکار و حوادث سے علاقہ ہی نہیں
مے و نغمہ کا وہی سحر رواں ہے کہ جو تھا
پاس ناموس نگاران جواں ہے کہ جو تھا

(دردانہ داخل ہوتی ہے)

دردانہ شاہ، مہتاب شب آرا ظلمت پوش ہوا
آسماں پر بادل چھائے تاریک، مہیب
گونج بجلی کی کوئی سوختہ ساماں جیسے
آرزوؤں کی جواں لاش پہ نوحہ گر ہو
کیا بھیانک ہے یہ بادوباراں کا طوفاں

خیام دردانہ اس طوفان سے ڈر لگتا ہے؟

جشن محلوں هی میں آراسته هے

دردانه شکر هے آپ نے خطرات کا احساس کیا

خیام یه تو محلوں کے اندر باهر یکساں هیں

دردانه پھر بھی سنگین فصیلوں کے فلک بوس حصار
آپکو دشمن کی زد سے بچا سکتے هیں
لب ساحل تو کوئی مامن و ملجا بھی نہیں

خیام وه شبستان شہی کے در و دیوار هوں یا
وادیٔ کاکل و لب، ساحت دشت و صحرا
یا اولمپس کی سمن پوش نشیمن گاهیں
کوئی بھی موت کی یلغار سے محفوظ نہیں
لیکن اب تو سازش کا کوئی خطره نہیں
سرغنه سازش کے هم سے جدا هو بھی چکے

دردانه زنده هیں وه تو یه مہلک غلطی آپ کی هے
آپ سلطان کی استدعا کو بھول گئے ؟

خیام تیرے گلنار لبوں پر بھی وہی باتیں ہیں
جو اس پیکر فولاد کے ہونٹوں پر نہیں
اک شہنشاہ غلاموں کے مقابل ہوجائے
اس تصور ہی سے ہم کو ایذا ہوتی ہے

ردانہ یہ غلام آپ کا اورنگ و عصا چاہتے ہیں
مصلحت تیغ و سناں کی متقاضی ہے حضور
ایسے نازک موقع پر یہ رقیق القلبی
بے گماں دشمن آئین جہانبانی ہے

خیام انتقام آئنۂ فطرت نسوانی ہے
لیکن یہ کوئی خصلت محمودہ نہیں
اولوالامر ہیں ہم مرغک بیچارہ نہیں
کہ جو دریوزگیٔ دانۂ جو کرتے پھریں
جشن کا وقت ہوا، آٹھ بھی چکو دردانہ
منتظر تشنہ لبوں کا ہے لب پیمانہ!

(کاخ دلشاد بقعہ' نور بنا ہوا
ہے، خیام اور اسکے مہمان
مصروف ناؤ نوش ہیں - باہر
بادوباراں کا طوفان برپا ہے)

خیام رقص سے تیز کرو ساز کی لے تیز کرو
دست معشوق طرحدار و پری چہرہ سے
سئر لعلیں کے چھلکتے ہوئے ساغر لے کر
دوش وفردا کو فراموش کرو آج کی شب
درد تہ جام کو بھی نوش کرو آج کی شب
نفس لوامہ کو خاموش کرو آج کی شب
حسن خود بیں کو ہم آغوش کرو آج کی شب
دوستو گلشن ہستی کے خیابانوں میں
جلوہ' سرو خراماں کے سوا کچھ بھی نہیں
نفحہ' سنبل و ریحاں کے سوا کچھ بھی نہیں

زندگانی کے پراسرار شبستانوں میں
عشرت صحبت خوباں کے سوا کچھ بھی نہیں
نکہت گیسوئے جاناں کے سوا کچھ بھی نہیں
حوصلہ عیش کا رندان خوش اوقات کو ہے
قسمت زاہد مرتاض دعائے سحری
منصب دیدہ وری، کار مسیحا نفسی
اس جگر داری کا انجام جگر سوزی ہے

زمان شاہ کی شوکت شاہانہ جہانگیر رہے
جس کے سایہ میں رعایا آسودہ خوش حال
اس کے دامن کی درازی کو دعا دیتی ہے

خیام خوب، لیکن ہمیں سازش کی خبر پہنچی ہے

زمان ناممکن، کوئی اسباب و علل

خیام چھوڑو یہ دردسری شغل مئے ناب کرو
فرصت نیم شبی نذر تب و تاب کرو

التمش یہ دھماکا کیسا؟

زمان آندھی کے جھکڑ ہوں گے

التمش نہیں یہ آندھی کی آواز نہ تھی

خیام دردانہ کوئی شیریں نغمہ
امرؤالقیس کی کوئی مستانہ تشبیب
یاد ایام کہ ذکر احسانات حبیب
کوئی رنگین حکایات غدیر جلجل
کسی جامہ میں سماتے نہیں نو خاستہ گل
جادوئے شب کو جگاتی ہے صدائے قلقل
عمر رفتہ کو بلاتی ہے صفیر صلصل
کیسے دیوانہ بناتی ہے نوائے بلبل
کوئی ہارون والف لیلہ کے بغداد کا ذکر
لولیان ختن و خلخ و نوشاد کا ذکر
کسی آذر کسی مانی کسی بہزاد کا ذکر
کسی وینس کسی شیریں کسی شمشاد کا ذکر
کسی ہیلن کے جمال ستم ایجاد کا ذکر

کسی مونالزہ کے لعل فسوں ساز کی بات
کسی کاعب، کسی ناھد، کسی طناز کی بات
کسی خولہ، کسی خنسا، کسی شہناز کی بات
کسی بیٹرس، کسی سہرو، کسی ممتاز کی بات
کسی نوشابہ کے غمزۂ غماز کی بات
بونواس و متنبی کا فسانہ کوئی
معرکہ اخطل و اعشیٰ کا شبانہ کوئی
پیر فارس کی نواھائے جوانہ کوئی
شلر و ھینے کے قطعات مغانہ کوئی
شوخ سیفو کا دلاویز ترانہ کوئی

(کافور داخل ھوتا ھے شمشیر برھنہ قبا دریدہ خون آلودہ، سبھان گھبرا کر اٹھ کھڑے ھوتے ھیں)

کافور (پہرے داروں سے)

تلواریں سونتو دوڑو فصیلوں کی طرف
سوچ کا وقت نہیں شاہ کی جاں خطرہ میں ھے

(خیام سے)

سگ زادوں کے عساکر نے بغاوت کردی

جاں پناہا یہ سرو و نغمہ کا ہنگام نہیں

قہرماں وقت کا فرمان عمل دیتا ہے

اپنے لشکر میں بھی نافرمانی کا ڈر ہے

میر عسکر کی شہنشاہ سے استدعا ہے

کہ فقط ایک گھڑی کے لئے باہر آکر

ساز و سامان جلالت سے مسلح ہو کے

تسکین و تشجیع عسکر فرمادیں

رخ انور کے دیدار سے ان کی خفتہ

ہمتیں شہ پا کے سینہ سپر ہوجائیں

خیام (حاجب سے)

ما بدولت کی شمشیر دو پیکر لاؤ

اسپ خاصہ کی تزئین کرو

(کافور سے)

جاؤ سلطان کو مژدہ دو ہم آتے ہیں

کافور بھی مژدہ ہے نوید نصرت

طائر پیش رس فصل بہار

(چلا جاتا ہے)

خیام تم زماں جاؤ دستہ کی کہاں سنبھالو
التمش تم بھی آراستہ ہوکر آؤ
مابدولت کی جلوداری میں

(سوائے دردانہ کے سب چلے جاتے ہیں
تھوڑی دیر میں حاجب شہنشاہ کی شمشیر
و سپر لے کر آجاتا ہے۔خیام مسلح ہوتا ہے)

خیام چشم انجم سے نہاں ہوجاؤ دردانہ
تم یہاں اپنے کو خطرہ میں کیوں ڈالتی ہو

دردانہ چتر دامن دولت ہی مرا مامن ہے
کبھی مطلوب سے چھٹ کے بھی جیا ہے طالب ؟
شمع پر جل مرنا مسلک پروانہ ہے
چھوڑوں کس طرح آئین وفا کیشی کو
عشق میں موت ہے عاشق کو حیات جاوید

خیام (مسلح ہوچکتا ہے)

مرے سینے میں سما جا مری جاں
آتشیں بوسے کی شیرینی سے
غم آئندہ کو آساں کردے

دردانہ ہر بن مو سے صدا آتی ہے
کامرانی ہو قدمبوس حضور

(خیام رخصت ہوجاتا ہے)

(دردانہ آستین میں سے ایک زہر کی شیشی
نکالتی ہے)

دردانہ زندگی معتکف خانہ ہوا چاہتی ہے
جاں نثار غم جانانہ ہوا چاہتی ہے
دل کی دھڑکن میں غم دل کی صدا شامل ہے
یہ صدا پھیل کے ویرانہ ہوا چاہتی ہے
تیز اور تیز ہوئی جاتی ہے گردش خوں کی
شاید اک لغزش مستانہ ہوا چاہتی ہے
لذت زخم جگر بڑھ کے بنی روح نشاط
شمع، بال و پر پروانہ ہوا چاہتی ہے

(کافور داخل ہوتا ہے)

کافور آٹھو دردانہ، مرے ساتھ چلو

دردانہ اور شہنشہ

کافور میں انہی کا تو فرستادہ ہوں

لب دریا جو نکلتی ہے سرنگ

اس میں سے باہر لے جاؤں

دردانہ تب شہنشاہ ابھی زندہ ہیں

کافور ہاں صف جنگ میں شیپور زناں مثل یلاں

دردانہ جنگ کے تیور کیا کہتے ہیں

کافور نسل دلشاد کا طالع ہے زوال آمادہ

اس فرصت کو ضائع نہ کرو آٹھو چلو

دردانہ مسلک عشق کی توہین ہے اقدام فرار

انہی محلوں میں مری قبر بنے گی کافور

دل کو سودائے محبت میں خسارہ کیا ہے

قصۂ دار و رسن بازیٔ طفلانۂ دل

جل گئی مزرع ہستی تو اگا دانۂ دل

(خیام، سلطان سپاہیوں کے ساتھ داخل ہوتے

ہیں کافور دردانہ کے پاس سے اٹھ کر ان کے

ساتھ صف آرا ہو جاتا ہے)

خیام جان دینا ہی اگر ٹھہرا ہے مقسوم تو پھر

انہی محلوں میں بنیں اپنی شہادت گاہیں

خونچکاں رنگ بدلتا ہے زمانہ کیا کیا

کبھی عشرت کا جو گہوارہ تھے مقتل ہیں

کوئی دم میں کمک آتی ہے، مرے

جاں نثارو بڑھو ہمت کو نہ چھوڑو، کافور

تم دردانہ ہی کے پاس رہو

(کافور دردانہ کے پاس واپس چلا جاتا ہے)

(اتنے میں مخمور، اجلال باغیوں کے

ایک جم غفیر کے ساتھ آپہنچتے ہیں،

طرفین میں جنگ آغاز ہوتی ہے اتنے

میں زمان اپنے دستہ کو لئے ہوئے
آپہنچتا ہے۔ باغی پسپا ہوجاتے ہیں
سلطان ان کا تعاقب کرتا ہے جونہی
پادشاہ اس کے پیچھے روانہ ہوتا ہے،
مخمور سے اس کی مڈبھیڑ ہوجاتی ہے)

مخمور کب تک موت کے پنجے سے گریزاں ہوگے؟

خمار ہم نہیں چاہتے یہ تیغ مقدس، مخمور
اک مغاں زادے کے خون سے آلودہ ہو
اب بھی موقع ہے اقرار اطاعت کرلو

مخمور باش! تیرا نفس باز پسیں آپہنچا

(شاہ پر حملہ آور ہوتا ہے۔ لیکن زخمی
ہوکر گر پڑتا ہے خیام اسے قتل کرنے
کیلئے تلوار اٹھاتا ہے)

خیام اب بلاؤ اپنے سیاروں کو کاہن
کہ تمہیں موت کے پنجہ سے چھڑائیں آکر

صفحۂ تیغ سے اک نوحہ
زر داغ دل

(اتنے میں باغیوں کی ایک جماعت داخل ہو کر مخمور کو چھڑا لیتی ہے۔ اور بادشاہ پر حملہ کرتی ہے۔ جو عین موقع پر چند جاں نثاروں کے آجانے سے جان سلامت لے جاتا ہے۔ باغی راہ گریز اختیار کرتے ہیں۔ بادشاہ ان کے تعاقب میں روانہ ہوجاتا ہے۔)

دردانہ (کافور سے)

تم یہاں کس لئے استادہ ہو

کافور آپ ہی کی توحفاظت پر مامور ہوں میں

دردانہ میری ؟ امصار و ولایات چھنے جاتے ہیں
آل دلشاد کی ناموس مٹی جاتی ہے
اور تم میری حفاظت پہ تلے ہو کافور
میں کہ اک عورت ہوں آب و گل کا پیکر
اس اقلیم کیانی سے گراں قیمت ہوں

(چلی جاتی ہے)

(کافور انگشت بدنداں ہے۔ آخر غیرت
مردانہ جوش میں آجاتی ہے۔ اور وہ بھی
نکل جاتا ہے)

(سلمان سپاہیوں کے ساتھ داخل ہوتا ہے)

سلمان باغی بھاگ گئے روبہ قفا دست بہ دل
پر شہنشاہ کہاں ہیں

(خیام دردانہ کے ہمراہ داخل ہوتا ہے)

خیام کہو سلمان عزیز

سلمان آپ زخموں سے تو محفوظ رہے؟

خیام زخم! پر ان کی کوئی بات نہیں
جنگ کا تمغہ جراحت کے سوا کیا ہوگا
کلفت و آشوب و اضمحلال
میرا ہر عضو بدن دکھتا ہے
میں ذرا لیٹوں گا

(ایک صوفہ پر دراز ہوجاتا ہے)

اک جام آب زلال

(خادم پانی پیش کرتے ہیں)

جنگ میں آب مصفا سی کوئی چیز نہیں
مے تو اک نشہ ہے مخصوص شبستان طرب

(نڈھال ہو کر صوفہ پر نیم خواب ہو جاتا ہے
سلطان اور سپاہی چلے جاتے ہیں ۔ دردانہ
بھی وہیں نیم دراز ہو جاتی ہے)!

(خیام ایک صوفہ پر سویا ہوا نظر آتا ہے،
دردانہ پاسبانی کے فرائض انجام دے
رہی ہے)

دردانہ اے خوابوں کے جزیروں کے سجیلے سپنو
اے تسکین تمنا کے گریزاں لمحو
اپنے افسون دلارامی و مدھوشی سے
نیند کی پریوں کی آغوش خمارینہ میں
اس مسافر کو آسودۂ منزل کردو

خیام (جاگتے ہوئے)
کسی قیمت پہ یہ سودا مجھے منظور نہیں
یہ حیات گزراں جام سفالیں تو نہیں
کہ اسے دے کے خریدوں ابدیت کا خمار
یہ مخاطب مرا کن پردوں میں روپوش ہوا
میں کہاں ہوں یہ شبستان شہی کیسا ہے!

ہم دوبارہ اس اقلیم میں کیوں کر پہنچے!

دردانہ
جان پناہ آپ نے شاید کوئی سپنا دیکھا
یہ کنیز اور یہ شبستان شہی آپ کے ہیں
آپ اس درجہ سرا سیمہ و حیراں کیوں ہیں
آخر اس خواب پریشاں کی حقیقت کیا ہے

خیام
دست سیمیں کو مرے ہاتھ میں دو
تا کہ معلوم ہو میں جاگتا ہوں
میں ابھی عالم برزخ کے کم و کیف میں تھا
اپنے اسلاف کی ارواح سعیدہ کو وہاں
باغ فردوس کے رستوں میں خراماں دیکھا
نخل طوبیٰ کے تلے، عرش معلے کے قریں
حوریاں جن سے خجل لولوئے منثور کی آب
صف بہ صف رقص کناں، نغمہ چکاں خندہ فشاں
جیسے محفل میں مغاں، جیسے ختن میں آہو
جیسے صحرا میں صبا، جیسے چمن میں خوشبو
دیر میں جیسے صنم، جیسے کلیسا میں بتاں
جلوۂ سندس و نظارۂ مرجاں دیکھا

قبر کی ظلمت پرہول میں انسانوں پر

عقرب وافعی و کثردم تو ستمراں دیکھا

خواب ہستی کا شیرازہ پریشاں دیکھا

وہ دھوئیں کے مرغولے شعلوں کی لپٹیں

آب زقوم سے تبخانے حسیں ہونٹوں پر

نیم جاں سوختہ تفتیدہ حریری پیکر

آگ کے کوڑے پابستہ جواں سالوں پر

ایک آتشکدۂ مغ کا گماں بالوں پر

زاویہ، نالہ و فریاد و فغاں سے معمور

قہر و آزار و عقوبت سے تڑپتے شہہ ور

کرۂ کرب و بلا، صبر کا زنداں دیکھا

چشم حیراں نے بلا خانۂ حرماں دیکھا

(سلمان داخل ہوتا ہے)

سلمان آپ اتنی جلدی اٹھ بیٹھے

خیام جو نہ سوتا کہیں بہتر ہوتا

کس قدر میں نے بھیانک سپنا دیکھا

شہرلاہوت میں اسلاف کی سب روحوں کو

خانوادہ کی تباہی پہ تڑپتے دیکھا

سلمان یہ احلام پریشاں ہیں بھلا دیجے انہیں

خیام رات کتنی باقی ہے سلمان

سلمان آپ مشکل سے کوئی ایک گھڑی سوئے ہیں

خیام اک گھڑی ہم تو سمجھتے تھے زمانے بیتے
کھنچ گئیں گردش دوراں کی طنابیں شاید
اک گھڑی پھیل کے صدیوں میں سما سکتی ہے

سلمان ابھی سینوں میں بغاوت کی رمق باقی ہے
آگ مدھم تو ہے خاموش نہیں
جاں پناہا دم گلبانگ خروس
قلب کو مہبط انوار شہادت کرکے
ہم بھی خورشید کا سامان سفر تازہ کریں

خیام ہم فرمان وغا دیتے ہیں

سلمان اس سے پہلے لیکن مری اک استدعا ہے
اور فقط سمع اقدس کے لئے

ردانہ: شاہزادے میں رضا چاہتی ہوں

(چلی جاتی ہے)

سلمان یہ کنیز آزادوں سے بھی شائستہ ہے

خیام یہ تو اک تخت کی زینت کو بڑھا سکتی ہے

سلمان ملکہ کے بارے میں مجھے کچھ کہنا ہے
میری رائے ہے کہ آثار سحر سے پہلے
اسے اور کمسن شہزادوں کو
کسی محفوظ پنہ گہ کو روانہ کریں
وارث تخت تو ہر حال میں مامون رہیں
انتظامات مکمل ہیں سفینہ تیار

خیام تم نے سلمان مرے دل کی کہی حرف بحرف

سلمان بچے پر باپ کے دیدار کی ضد کرتے ہیں

صفحہ تین سو تنانوے

فرداغ دل

همشیرہ کی نوا بھی اس میں شامل ہے

خیام حوصلہ کس کو عزیزوں سے جدا ہونے کا ہے
ایک آشوب قیامت ہے ملاقات نہیں
اپنے راج دلاروں سے کہوں کیا جا کر
جاؤ صحرائے غربت کو سدھارو ، بچو
مجھ سے یہ منظر برداشت نہ ہوگا سلمان
جادۂ آہ شبانہ ، خط پیمانۂ دل
گنج مستور زمانہ، زر بیعانۂ دل
تپش نبض دو عالم، کسی شہناز کا دل
پائگہ عرش معلیٰ سے بھی اونچی جسکی
آبگینہ سے نزاکت میں صفا جسکی دوچند
دل بھی وہ جس کو پامال کیا ہے میں نے
صرف اندوہ آمال کیا ہے میں نے
سعیٔ چارہ گری بے سود ہے بے سود مگر
پھر بھی اصرار ہے تم کو تو انہیں لے آؤ

(سلمان چلا جاتا ہے)

(تھوڑی دیر کے بعد عنیزہ کو ساتھ لئے
ہوئے داخل ہوتا ہے)

سلمان (عنیزہ سے)

اشک عنابی کی تاثیر سے نو مید نہ ہو

اس گلستاں میں مقامات فغاں اور بھی ہیں

عظمت رفتہ کے اذکار سے اب کیا حاصل

ہمیں اسرار خدائی میں کوئی دخل نہیں

جو رضا کرو بیاں کی وہی اپنا مقسوم

مری ہمشیرہ مری خواہر فرخندہ سیر

یوں رو رو کے مری روح کو بیتاب نہ کر

(خیام سے مخاطب ہو کر)

جاں پناہا ملکہ حاضر ہے

عنیزہ (سلمان سے) تم جاؤ

(سلمان چلا جاتا ہے)

جن دلوں نے کبھی پیمان وفا باندھے تھے

شب مہتاب میں گاہے کبھی فصل گل میں

مرمریں قصر محبت کی بنا ڈالی تھی

جاودانیت کے خواب حسیں دیکھے تھے

آج ان میں کتنے سنگ گراں حائل ہیں

کتنے آداب وفا، کتنے تکلف کے حجاب
عشرت عہد نخستیں کو مٹا بیٹھے ہیں
اے رفتار زمانہ ذرا تھم جا، آقا!

خیام تم عنیزہ

عنیزہ مجھے یوں کہ کے مخاطب نہ کرو
اس عنیزہ کے تخاطب کی صمیمیت میں
فصل نیسان جوانی کے تقاضے مدفون
پردہ ساز کو محروم نوا رہنے دو
دور ایام کو سرگرم جفا رہنے دو

خیام جا کے پھر وقت کا رہوار کبھی لوٹا ہے؟
حسرت رفتہ نخچیریٔ ایام نہیں
ہم سے سامان نے ذکر کیا تھا ملکہ
شہزادوں کو لے کر جانے سے پہلے
آرزو مند ہے شوہر کی قدمبوسی کی

عنیزہ شکر ہے آپ کے احسان گرامی کے طفیل

مرے لخت دل و مژگاں مری آغوش میں ہیں

ہو بہو آپ سی ہے شکل و شباہت ان کی

وقت کیسے اپنے آپ کو دہراتا ہے

خیام یاد ایام کا آئینہ تمہیں سونپتا ہوں

ان کو تہذیب و تمدن کی امانت دے کر

ہر بڑی سے بڑی عظمت کا سزا وار کرو

علم سے بڑھ کے کوئی گوہر شہوار نہیں

ان کو اخلاق جمیلہ کا پابند کرو

گلشن ہستی کے نخل تازہ رس کو

یوں لگا تار ریاضت سے برو مند کرو

کہ اک آغشتۂ خوں، خستۂ آشوب جہاں

تادم باز پسیں تم کو دعا دیتا رہے

عنیزہ مرے سرتاج مرے کعبۂ احزاں کی ضیا

تا قیامت رہے پائندہ ترا ظل ظلیل

تیرے انفاس بہاریں کی گلباری سے

یہ خس خانۂ دل اب تو پریخانہ ہے

تو کوئی فکر نہ کر اپنے جگر پاروں کی

بطن ایام سے ابھریں گے وہ گوھر بن کر
قرۃ العین سحر، مہر منور بن کر

(سلمان داخل ھوتا ھے)

سلمان — اب ھنگام فراق آپہنچا

عنیزہ — بھائی ان لمحوں کی تقدیس کو ضائع نہ کرو
جنمیں پنہاں مرے ارمانوں کا رویائے جمیل
یعنی اک خواب گریزاں کی گریزاں تعبیر
مجھ میں باقی نہیں اب طاقت تصدیع خمار
مجھے سلمان ان قدموں میں پڑا رہنے دو
جن سے نکہت فردوس بریں آتی ھے

سلمان — مری ھمشیرۂ والا گوھر
یہ سخن سازی کا ھنگام نہیں
جذباتی نہ بنو طفلک ناداں کی طرح
دخل جذبات کا آئین سیاست میں نہیں
وقت کی مصلحت ان کو ٹھکرا دیتی ھے

عنیزہ مجھے آئین سیاست سے سروکار نہیں

میں زباں بستہ رہوں میرا نشیمن جل جائے

میرا کاشانہ ہے اقلیم کیانی مجھ کو

نہیں کچھ بھی ہوس تاج ستانی مجھ کو

اب مجھے کلفت ہجراں کی تکلیف نہ دو

ماں جائی ترے پاؤں پڑتی ہے سلمان

سلمان وقت نازک ہے بہت جا بھی چکو

بیتے افسانوں کو دہرانے میں کیا رکھا ہے

گردش وقت کے آثار و سیر پہچانو

بچوں کو معرض خطرہ میں نہ ڈالو، اٹھو

(سلمان عنیزہ کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہے)

عنیزہ مرے خیام کو بھی میرا کوئی پاس نہیں

کس بیدردی سے ظالم لئے جاتا ہے مجھے

(بیہوش ہو کر گر پڑتی ہے)

خیام (بڑھتے ہوئے).

بس سلمان اس کی موت کا باعث تم ہو

سلطان جاں پناہا یہ فقط عارضی بیہوشی ہے

(عنیزہ کو بازوؤں میں اٹھا کر لے جاتا ہے)

خیام زندگی ہے کہ اک آشوب ستم ہے یارب

نیلگوں پردہ میں کون صنم ہے یارب

کیا کیا شوق طلب، ذوق تحیر دے کر

اس سے اچھا تھا کہ دیوانہ بنایا ہوتا

کوئی کب تک رہے زنجیریٔ آداب خرد

اس حقیقت کو کچھ افسانہ بنایا ہوتا

سطوت ملک کیاں پایہ میں کیا رکھا تھا

مجھے خاک در میخانہ بنایا ہوتا

جادۂ منزل جانانہ بنایا ہوتا

سوز کم کم سے دل زار کو تسکیں نہ ملی

اس کو خاکستر پروانہ بنایا ہوتا

یا مجھے ذوق تماشا نہ عطا ہوتا، یا

مجھے شایان صنم خانہ بنایا ہوتا

یا مجھے خلوت و جلوت کے پریخانوں میں

صاحب افسر شاہانہ بنایا ہوتا

یہ نہ تھا تو غم ایام کے ویرانوں میں

موجۂ نکہت مستانہ بنایا ہوتا

(دردانہ داخل ہوتی ہے)

خیام کس کے اذن سے دردانہ یہاں آئی ہو

دردانہ مرے کانوں میں اک آوازِ فغاں پہنچی تھی
کسی دل چاک کی غمگین و غم انگیز نوا
میں نے سوچا

خیام یہ کنیزی کے آداب نہیں

دردانہ اے پنہ گاہ جہاں لونڈی سے بھول ہوئی
اپنے اس جرم پہ وہ جاں کی اماں مانگتی ہے
اور رضا چاہتی ہے

خیام دردانہ رک جاؤ
ہمیں اس تلخ نوائی پہ پشیمانی ہے
ہمیں افکار نے دیوانہ بنا رکھا تھا
ابھی ناموسِ شہی ہم سے سخن پیرا تھی

دردانہ ملکہ ؟ گوہر شب تاب حرم
دیکھ لیتیں وہ اگر مجھکو یہاں

خیام کیا ہوتا

دردانہ استحقار سے ٹھکرا دیتیں

خیام کوئی عورت اس جذبہ سے مبرا ہی نہیں
اس میں شاید کوئی حکمت مضمر ہے
کہ حسینوں کے مابین عداوت ہی رہے
کسی شہناز کو اقلیم غزل خوانی میں
کسی اور بت کی توصیف گوارا ہی نہیں
سرتاپا اک کوس لمن الملک الیوم
کون ہوتا ہے حریف مئے مردافگن ناز ؟

دردانہ میں ترے عشق میں ناموس وطن کھو بیٹھی

خیام واہ تجھ کو بھی مرے عشق سے عار آنے لگی
کون دمساز ہوا شام سیہ بختی کا

جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے
غم کو بھینچے ہوئے ارمانوں کو لپٹائے ہوئے
آؤ دوستوں کی طرح جدا ہوجائیں

کس شے کو ملا اس عرصۂ ہستی میں فراغ
صحن عالم ہے کہ بازی گہ تغئیر و فراق
کاہش ترک وطلب، کشمکش جذب و گریز
اس دیار حرساں کا ادنیٰ افسوں ہے
یہی مقصود مشیت یہی اپنا مقسوم
خواب ایام کی تعبیر عنیزہ بھی گئی
تجھ کو بھی اے بت خود کام و حسیں
ہم رخصت کی صلا دیتے ہیں
ہم پہ جو بیتے گی ہم تنہا سہ لیں گے
تھی فقط بزم طرب میں طلب یار حریف
آرزو کلفت غم میں کسی مہوش کی نہیں

دردانہ اے دلارام اے تسکین دل دردانہ
ان باتوں سے مرا سینہ پھٹا جاتا ہے
کارواں شب کا شبستاں میں لٹا جاتا ہے
تو مری روح کا سنگیت مرے جسم کا گیت

یہی دل سوختگی میری محبت کی جیت

(خیام اسے اپنے آغوش میں بھینچ لیتا ہے)

(سلمان داخل ہوتا ہے)

سلمان یہ کنیز یونانی

خیام
سلمان

اس کو اس وقت ملامت نہ کرو

سلمان ملکہ اور عالی شہزادے
آخر آزاد غم راحلہ و زاد ہوئے

خیام خوب سلمان بہت خوب

سلمان
یہاں سے جا کر
خوئے تسلیم و رضا سے اس نے
نا صبوری کو تلقین شکیبائی دی
دم رخصت نہ کوئی اشک نہ نالہ نہ خروش

وہ پری پیکر تصویر کے مانند خموش

(طبل جنگ کی صدا آتی ہے)

شور جنگاہ کا آغاز ہوا

خیام ہم بھی سر گرم ستیزہ ہو کو
برق و سیماب و شرر بن جائیں
یا تو مینائے سحر کو پا لیں
یا تاریکی میں کھو جائیں
جامۂ ہستی کے دھبوں کو
خونناب دل سے دھو جائیں

سلمان یہ غلام آپ کے قدموں سے وابستہ ہے

خیام لاؤ پیکان و کماں ، لاؤ شمشیر وسناں

(صدا دوبارہ بلند ہوتی ہے)

تیر دلدوز ہے یہ، تیغ ہے یہ دستہ ہے
المدد المدد اے ہمت خونیں جگراں !

(چلے جاتے ہیں)

(قصرشاہی کاوہی اطاق، دردانہ، اخطل)

دردانہ (ایک جھروکہ میں)

افق خاور پر نجم سحر ابھرا ہے
آمد صبح کے آثار عیاں ہونے لگے
شب کے اسرار فرو بستہ بیاں ہونے لگے
شفق صبح کے لمحات پریشاں کا فروغ
چارہ فرمائے وحشت شب کیا ہوگا
وقفۂ شب میں قیامت کا سماں بیت گیا
یہ سحر بھی کہیں عنوان قیامت ہی نہ ہو
شب دیجور بلا دیکھ چکے اب دیکھیں
پردۂ صبح سے کیا چہرہ نما ہوتا ہے
کارواں لٹتا ہے یا راہگرا ہوتا ہے
کتنے دکھ درد ہیں وابستہ غم عشق کے ساتھ
کیف و کم سکر کا اندوہ فزا ہوتا ہے

لذت و درد میں کوئی حد فاصل ھی نہیں
نغمہ فریاد کناں نے سے جدا ھوتا ہے

اخطل: فرصت زیست کا یہ آخری دن ہے شاید
یوں سکون کامل سے جو نوا پیرا ھو
تم کہیں جذبہ واحساس سے عاری تو نہیں

دردانہ: سینہ تاراج ستم، حرف ثنا ھونٹوں پر
حاصل زیست یہی نغمۂ محرومی تھا
تو دل کھول کے پھر داد ھوس دی ھوتی
پر شکوہ ارض و سموات کے نظاروں میں
کتنا بے سایہ و بے ارز ہے انساں کا وجود
ھوتا ہے قصر جہاں سیل فنا سے برباد
ناز فرما ہے وھی شاھد رعنائے شھود
واژگوں رنگ بدلتا ہے وھی چرخ کبود
ھم نے افکار جہان گزراں میں پھنس کر
عشق و مستی کی کتنی بڑی نعمت کھودی

(سپاھی مجروح سلمان کو اٹھائے ھوئے
داخل ھوتے ھیں۔ سلمان کے پہلو میں

تیر پیوست ہے وہ اسے نرمک نرمک
ایک صوفے پر لٹادیتے ہیں)

دردانہ یا خدایا یہ خونیں منظر

اخطل قصر دلشاد کے انوار تنک تاب ہوئے
وقت اس کاخ سے آہنگ سفر کرتا ہے

سلمان کاٹ لو اس کی زباں، کون ہے یہ

دردانہ شاہزادے جاں بخشی اس کی
اس نا فہم کو احوال امم کیا معلوم
یہ تو آئین تہور ہی سے بے بہرہ ہے

سلمان جاں نثارو صف جنگاہ بلاتی ہے تمہیں
جاؤ جاؤ مجھے صوفہ پہ پڑا رہنے دو

(سپاہی چلے جاتے ہیں)

دردانہ زندگی ہے کہ عناصر کا مذاق
کوہکن، قلعہ کشا، تاج ستاں

صفحہ چارسو چودہ

زر داغ دل

دیدہ ور ، منتخب دور زماں
کیسے خاک میں مل جاتے ھیں

(خیام اور سپاھی داخل ھوتے ھیں)

خیام میرے بھائی !

سلمان کیا ھم ھار گئے ؟

خیام (افسردہ لہجے میں) وائے اے شومیٔ ایام

سلمان سلاً ذو مشفق
مجھ کو اس ذلت کے سہنے کی تاب نہیں

(پہلو سے تیر کو کھینچنے کی کوشش
کرتا ھے ، خون کا فوارہ پھوٹ بہتا ھے
تکلیف کی تاب نہ لاتے ھوئے جان جان
آفریں کے سپرد کردیتا ھے)

خیام اک اک کر کے ھوئے جاتے ھیں تارے روپوش
صف بہ صف موت کے منحوس قدم آتے ھیں

گرم تھا جس جگہ بازار حیات آج وہاں
خوش خرامی کو سفیران عدم آتے ہیں
جن حریفوں سے کہ پیمان وفا باندھے تھے
غرق دریائے شور و شب دیجور ہوئے
کہیں ملتا نہیں ڈوبے ہوئے تاروں کا سراغ
دیدہ و دل کے کاشانے بے نور ہوئے
رہرو درماندہ کو لق و دق صحرا میں
کس بے مہری سے یاران وطن چھوڑ گئے
مرے بھائی مری جاں تم پہ فدا ہوتی ہے

(اُس کی لاش سے لپٹ جاتا ہے)

(سپاہیوں کو اشارہ کرتا ہے)

لاش کو خیمۂ شاہی میں اٹھا لے جاؤ

(سپاہی لاش کو لے کر چلے جاتے ہیں)

(ایک منصب دار گھبرایا ہوا داخل ہوتا ہے)

منصب دار عالیجاہ

خیام کہو

منصب دار   تاب کہاں سے آئے

اک اور تیر قضا پہلو میں پیوست ہوا
دریا میں طغیانی کے آجانے سے
بہ گئی ریگ رواں سب ناکے ٹوٹ گئے

خیام جز تسلیم شکست اب کوئی چارہ نہ رہا
کیا کرے کوئی جو تقدیر ہی یلغار کرے
پر بلا پیشہ تو اپنی کوشش کر دیکھیں
سر فروشو جانبازو اس بازی گہ میں
ہار سے عزت کی موت کہیں بہتر ہے
ابھی باقی ہیں بہت باب اولوالعزمی کے
اٹھو تدبیر سے تقدیر کو بسمل کردو
دشمن کے منصوبوں کو باطل کردو

(منصب دار چلا جاتا ہے)

دردانہ اب عناصر نے بھی سازش کردی

خیام لیکن امواج بلا خیز فرات
ما بدولت کی قلمرو میں نہیں

کہ ہم آمادۂ سرکوبی ہوں
کسی بے برگ و نوا کو رہزن کا کیا ڈر
جب ہم گوہر یکدانۂ دل کھو بیٹھے
اپنے اسلاف کی ناموس کو رو دھو بیٹھے
تو ہمارے لئے آفاق کی پہنائی میں
خوف و اُمید کی یہ مینا کاری کیوں ہو

(کافور داخل ہوتا ہے)

کافور عالیجاہا سب راستے مسدود ہوئے
صرف اک راہ ہے وہ راہ گریز
دستے دشمن کے محلوں پہ چڑھے آتے ہیں
پرچم شام زمیں بوس ہوا چاہتا ہے
آپ فی الفور کہیں بھاگ چلیں
جاں سلامت ہے تو کرلیں گے
کئی تازہ نشیمن آباد

خیام ہم کو یہ مشورہ منظور نہیں
اس جانباز و جگردار قبیلہ کے جوان
کبھی بھاگے نہیں میدان عمل سے کافور

موت کے شعلوں سے ہستی کی قبا جانے دو
ہم سے انجام غم آگہی مستور نہیں
کافور اپنے ولی نعمت کے
آخری حکم کی تعمیل میں آناً فاناً
انبار خس و خاشاک مہیا کر کے
عود وعنبر سے معطر چتا تیار کرو
کہ ہم آشوب زمانہ کا مداوا کر لیں

کافور عالیجاہ مگر ـــ

خیام کوئی مجال پس و پیش
کوئی گنجائش اہمال نہیں
یہ مرا فرمان باز پسیں ہے کافور
اس کی تعمیل کرو

کافور عالیجاہ !

(چلا جاتا ہے)

خیام کبھی گیتی نے یہ نظارہ نہ دیکھا ہوگا

جو ابھی شعلۂ پیچاں سے ہویدا ہوگا

(کافور ایک نقیب کو لئے ہوئے دوبارہ
داخل ہوتا ہے)

کافور یہ نقیب آپ سے کچھ کہنے کا مستدعی ہے

خیام کہنے دو

نقیب شاہ اجلال

خیام اخاہ!

نقیب آپ کی جاں بخشی کرتے ہوئے
آپ کو سروریٔ ملک سبا سونپتے ہیں

کافور یہ مژدہ ہے نظر بندی کا
مرغ اقبال گلستاں میں تہ بال رہے

نقیب اس احسان گرامی کے بدلے میں آپ

تینوں دلبند حکومت کے حوالے کر دیں

خیام اس فیاضی کا کیا کہنا

نقیب منتظر آپ کے پیغام کا ہے یہ ناچیز

خیام اپنے آقا سے کہو مہلت یک ساعت دے

(نقیب چلا جاتا ہے)

(کافور سے)

اچھے کافور مری خاک کو رسوا نہ کرو
وقت باتوں کا نہیں کام کا ہے

کافور ابھی فرمان کی تعمیل ہوا چاہتی ہے

(چند سپاہی آتے ہیں تخت کے ارد گرد
لکڑیوں کا ڈھیر لگا دیتے ہیں اور
عود و لوبان سلگاتے ہیں)

کافور اس پروردۂ نعمت کو بھی

عالیجاہ رفاقت کی اجازت دیجے

دردانہ یہ ترا کام نہیں

کافور حیرت سی حیرت ہے

اک عورت مردوں پر سبقت لے جائے

دردانہ شمع اپنے پروانہ پہ فدا ہوتی ہے

تم ابھی رنگ طلسمات زمانہ دیکھو

سکر و سرگشتگیٔ بزم مغانہ دیکھو

خیام ہمنوا ہم بھی ہیں دردانہ کے

جاؤ ایوان مہ و سال میں آباد رہو

ہم تو جاتے ہیں خرابات سے تم شاد رہو

کافور دست بوسی کے شرف سے تو شہ عرش سریر

خانہ زادوں کو سرافراز سعادت کر دیں

(کافور اور سپاہی شہنشاہ کے گرد حلقہ باندھ

لیتے ہیں اور اس کے دست و دامن کو بوسہ
دیتے ہیں)

خیام الوداع اے مرے یاران وفا دار و کریم
الوداع اے مرے بے لوث محبان قدیم
ہم تو جاتے ہیں گلستاں سے بایں قلب دونیم
تم مگر سرخوش و آسودہ رہو مثل نسیم

(کافور اور سپاہی چلے جاتے ہیں)
(دردانہ مشعل اور جام شراب لئے ہوئے
آتی ہے)

دردانہ یہ چتا بھی تو ستاروں کی نشیمن گہ ہے
جس میں دو جسم خمار مئے دوشینہ سے چور
شرح اسرار مقامات نہاں کرتے ہوئے
مثنوی شوق کی در پردہ بیاں کرتے ہوئے
راہیٔ عالم بالا ہوں گے

خیام (جام شراب اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے)
دردانہ!
اپنی جرأت پہ کہیں تو متاسف تو نہیں؟

دردانہ شمع پر جل کے ہی پروانہ جلا پاتا ہے

عاشقی مصلحت سود و زیاں سے آزاد

زندگی عشق کو ملتی ہے شہادت گہ میں

شمع و پروانہ پس مرگ بہ آغوش صبا

سو بہ سو وسعت عالم میں خراماں ہونگے

دل عشاق تہ خاک بھی آشفتہ مزاج

کبھی گل سے کبھی لالہ سے نمایاں ہونگے

الوداع اے دل زندہ کے خیاباں زارو

اے شبستانوں کے گلپوش حسیں نظارو

بیکراں رمنو اے وادیو اے کہسارو

سحر و شام کے سیماب قدم ہر کارو

جاوداں مائل رم اے جپسی بنجارو

ہم تو اس گلشن ہستی سے سفر کرتے ہیں

تم پہ اک آخری حسرت کی نظر کرتے ہیں

(باہر سے کافور کے قرنا کی آواز سنائی دیتی ہے)

خیام الوداع اے مرے اسلاف کی جولاں گاہو

الوداع اے عیش رفتہ کے گہوارو

الوداع اے چمن و دشت و لالہ زارو!

(چتا میں بیٹھ جاتا ہے)

مری دردانہ!

دردانہ (چتا کو آگ دکھاتے ہوئے)

اے جان و دل دردانہ!

(آگ بھڑک اٹھتی ہے تو اس میں
کود جاتی ہے، لپکتے شعلے دونوں
آوارگان عشق کو اپنی آغوش میں
لے لیتے ہیں)

عرضِ تمنّا

ان نظموں کا مصنف ادب کا ایک معمولی مگر مخلص طالب علم ہے، جو اپنے نقش اول کو صد گونہ انکساری کے ساتھ ارباب ہنر کے سامنے پیش کرتا ہے۔ ہوسکتا ہے بعض اہل نظر اس مجموعہ کی اشاعت کو شوق فضول و جرأت رندانہ پر محمول کریں اور ایک خندۂ استہزا کے ساتھ اسے نظر انداز کردیں۔

سخنور کے لئے اپنی نگارشات کی قیمت اور تخیلات کی اہمیت کا تعین بہت مشکل ہے۔ اپنی شخصیت اکثر دلاویز معلوم ہوتی ہے اور اپنے تجربات، جذبات، احساسات پر انوکھے اور اچھوتے ہونے کا گمان گزرتا ہے۔ اپنی ذات اور اپنے عمل کو حریفانہ دیکھ سکنے کی صلاحیت اور سکت بہت کم جگر داروں کے حصہ میں آتی ہے اور یوں بھی اپنی گھات میں منافقانہ بیٹھنا کچھ اتنا خوشگوار اور دلچسپ مشغلہ نہیں۔ لیکن فنکار کے لئے یہ سب ناگزیر ہے۔ رند بہار پیشہ کو مئے سر جوش کے ساتھ درد تہ جام نوش کرنا ہی پڑتا ہے۔ مستسقی کے حصہ میں عذب فرات بھی آتا ہے ملح اجاج بھی۔ حریر دورنگ ہی سے قبائے حیات تیار ہوتی ہے، ظلمت و نور، خار و سرور، غیاب و حضور ـــــ یہی تضاد

قانون کائنات ہے، ساحرالموط کے ہاتھوں میں برگ حشیش ہے جو کبھی طبلہ عنبر کی صورت مشام جاں کو معطر کرتا ہے کبھی حقہ یاقوت بن کر زندگی سے فرار کا راستہ دکھاتا ہے۔ جو شاخ نبات بھی ہے سم زعاف بھی، جریدہ حیات بھی، خریطہ ممات بھی

گم شدگی و بازیافت---ان دو حرفوں میں تخلیق کے سم سم کا راز پوشیدہ ہے، اظہاروبیاں کی دنیا کو جادہ شناس طلسم گرداں سے تشبیہ دیتے ہیں۔ جس میں نشان کف پا منزل کا سراغ بھی دیتے ہیں اور گمراہ بھی کرتے ہیں اس ظلمات میں آب حیواں تو ہے لیکن فضائے دشت و صحرا کو دیدہ‌ودل کے چراغوں سے اجالنا پڑتا ہے۔ اس سواد حسرت و سودا میں قندیل رہبانی خود سالک کے سینہ کی جوت ہوتی ہے۔ دوسروں کا نور بصیرت افروزی تو کرسکتا ہے، لیکن بصارت عطا نہیں کرتا، اورنہ ہی اس کا نعم البدل ہوسکتا ہے۔

اپنے آپ کو کھو کر پالینا کار ہر دیوانہ نہیں۔ دل سنگ میں رقص بتان آذری کو دیکھنا ہی نہیں بلکہ دکھانا---دیدہ وری ہے۔ بطن صدف کو چیر کر لولوئے لالا برآمد کرنا، اشارہ توفیق غائبانہ چاہتا ہے۔

اگرچہ تخلیق حبس دوام بہ عبور دریائے شور ہے اور اس میں ہر قدم پر اتلاف جاں کا اندیشہ ہے۔ پھر بھی کچھ ازلی شوریدہ سر ایسے ہوتے ہیں جو ہوائے زندگانی کی نرم خیزی سے

شکم سیر یم بہ یم، دریا بہ دریا، جو بہ جو طوفان خیزو ہنگامہ جو رہتے ہیں۔ ان سنچاوں کی طبیعتوں میں وہ سیمابی، اضطرابی کیفیت ہوتی ہے جو اپنے نت نئے اظہار کے لئے بے تاب رہتی ہے۔ جس کو خوب سے خوبتر کی جستجو ہمیشہ پابجولاں رکھتی ہے جو قرار و قیام سے آزردہ اور رفتار و رم سے شگفتہ رہتی ہے جو روانیٔ روش و مستیٔ ادا پہ فریفتہ، طراوت چمن اور خوبیٔ ہوا پہ مرتی ہے۔

نفی سے اثبات کی تراوش ہوتی ہے اور تکفیر سے تصدیق کی۔ پیدائش کے لئے موت کے دروازہ سے ہو کر گزرنا پڑتا ہے۔ قسام ازل سے فنکاروں کو دولت اضطراب دوام عطا ہوتی ہے۔ یہی وہ خاصان خدا ہوتے ہیں جو مست مئے ولا اور سرشار بادۂ الست رہتے ہیں۔ ان کی روح جو ہمیشہ تشنہ، بےچین اور آشفتہ مغز رہتی ہے پیہم اپنی ترجمانی کے وسیلے اور ابلاغ کے پیرائے تلاش کرتی رہتی ہے۔ معانی الفاظ کے جویا رہتے ہیں اور ہیولے اجسام کے۔

یہ فعل بیک وقت کرب انگیز بھی ہے لذت خیز بھی، درد کی دوا بھی درد لادوا بھی، جنت بہ آغوش بھی جہنم بکنار بھی۔

تخلیقی عمل میں فیضان و عرفان برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ ایک ملکہ وہبی ہے دوسرا اکتسابی، بلکہ اکتسابی کی حیثیت ایک لحاظ سے شریک غالب کی ہے۔ فیضان بالقوۃ ہوتا ہے، کسب و ریاض کی حیثیت فعالی، خلاقانہ اور متصرفانہ

ہوتی ہے زبان و بیان پر قدرت حاصل کرنے، اسلوب و اظہار کی نزاکتوں، بلاغتوں اور عظمتوں کو مسخر کرنے، محاکات و رمزیات کے جادو کو جگانے، ابہام و توضیح، تمثیل و تلمیح اور استعارہ و تشبیہ کے کرشموں سے باخبر ہونے کے لئے، مسلسل مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔ اپنی آواز کو پالینا آسان نہیں۔ اسلوب کی دریافت کوہ پیمائی اور بادیہ گردی ہے۔ زبان کے لغوی و نحوی مفاہیم تو بآسانی زیر دام آجاتے ہیں لیکن اس کے مجازی حسن تک رسائی صرف مزاج شناسان سخن ہی کی ہوتی ہے ــــ وہ طائفہ' آزادگاں جن کی تمام تگ و دو اس بت مشکل پسند کی دلجوئی و دلداری کے لئے وقف ہوتی ہے :-

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست
بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

آیات و نغمات ہوا کی طرح لطیف اور اسی کی طرح آزاد و بے قید ہیں۔ افکار کے سرکش جنوں کو کوئی سلیمانی انگوٹھی ہی مطیع کرسکتی ہے۔ خیال کی مثال ایک غزال آوارہ کی ہے۔ اسے گرفتار کرنے کے لئے ایک تیز بیں، سبک گام اور چابک دست صیاد کی ضرورت ہے، شکار کی فطری صلاحیت بے شک عطیہ' ربانی ہوتی ہے لیکن اسے بیدار، پختہ، چالاک اور صیقل کرنے کے لئے برسوں تپسیا کرنا پڑتی ہے، ویرانوں کے طول و عرض کو ماپنا پڑتا ہے، آرام طلبی کو خیرباد کہ کر جسم و جاں کو آلام و شدائد، مراصد و مکائد کا خوگر بنانا پڑتا ہے تب کہیں جا کر

یہ مرغ صحرا زاد صید ہوتا ہے۔

راقم کو اپنی کوتاہیوں اور معذوریوں کا شدید احساس ہے، مس کو کیمیا بنانے کے لئے پلکوں سے کانٹے چننا پڑتے ہیں۔ بنات النعش گردوں کے بے حرف و صوت رمز و کنایات کو سمجھنا پڑتا ہے، حقیقت کسی شاہد دلربا کی طرح خوابوں کے غرفوں سے جھانکتی ہے اور پھر اچانک قدموں کی آہٹ پاتے ہی بدن چرا کر روپوش ہوجاتی ہے۔ اس نگار ہزار شیوہ کی جستجو مکمل دیوانگی کا مطالبہ کرتی ہے، لیلیٰ محمل نشیں اپنی نیم باز آنکھوں سے آتش شوق کو بھڑکاتی ہے، مجنون ناتواں رگ و ریشہ مین نئی زندگی کی لہر بھر محسوس کرتا ہے، لیکن دوسرے ہی لمحہ وہ نگہ چشم سرمہ سا یکسر بیگانہ بن جاتی ہے جیسے کبھی آشنا ہی نہ تھی۔

راقم کو اس کا اعتراف ہے کہ منزل شوق کے متعدد مرحلے ابھی ناپیمودہ ہیں۔ طالب دیدار کو ہر لحظہ نیا طور، نئی برق تجلی نظر آتی ہے، طلب صادق ہو، شوق محکم ہو اور طبیعت محنت پسند، تو ہفتخوان علم و فن کے طے ہو ہی جاتے ہیں، دیار ہنر میں فراغت موت کے مترادف ہے۔ جہاں ہنرور نے اپنی کارکردگی پر طمانیت کا اظہار کیا وہیں سے اس کے فن کا زوال شروع ہوا۔

ناتمامی اور ناتمامی کا احساس تخلیق کا بنیادی جزو اور ناگزیر المیہ ہے، صدائے کن فیکوں کبھی مدھم نہیں پڑتی، نگار فطرت کبھی آرائش جمال سے فارغ نہیں ہوتی، اور نہ ہی اس

کے عالی حوصلہ فرزند جنھیں زمانہ اولوالعزمان دانشمند کے نام سے یاد کرتا ہے کبھی آرام و آسائش کی خواہش کرتے ہیں۔

لیکن ہر رہ نورد شوق کو ان معالم و معاہد اور معارف و مشاہد سے آگاہ نہیں کرتے یہ پروردگار حقیقی کی دین ہے۔ جس کے سینہ میں چاہے وہ اس آتش مقدس کو روشن کردے۔ راقم ابھی اپنے تصور فن سے بہت دور ہے، یہ سے خمار چشم ساقی کے بغیر مرد افگن نہیں بنتی، الفاظ و معانی کے حریم ناز میں نامحرم کو بار مقدر ہی سے ملتا ہے۔

ان نظموں میں قاری کو اکثر و بیشتر جھٹکے سے محسوس ہوئے ہوں گے اور اس نے جابجا آہنگ کو بظاہر ٹوٹتا ہوا سا پایا ہوگا، علمائے عروض کے نزدیک یہ مسئلہ مسلم ہے کہ جہاں تین حرکتیں پے درپے واقع ہوں وہاں درمیانی حرکت یعنی حرف اوسط کو ساکن کیا جاسکتا ہے۔ اسے اصطلاح میں تسکین اوسط کہتے ہیں۔ (فعلاتن کی عین ساکن کرنے سے مفعولن، متفاعلن کی ت ساکن کرنے سے مستفعلن، مفاعلتن کا ل ساکن کرنے سے مفاعیلن) اس زحاف کے استعمال پر کوئی پابندی نہیں۔ بشرط ذوق و ضرورت ہر بحر میں ہر جگہ اس کو بے تکلف کام میں لایا جاسکتا ہے۔ اساتذہ قدیم و جدید کے کلام میں اس کی بیسیوں مثالیں دستیاب ہوسکتی ہیں۔

اس زحاف کا راقم نے یہ فائدہ محسوس کیا ہے۔ کہ اس سے الفاظ کے انتخاب کا دائرہ بہت

وسیع ہوجاتا ہے، رکنوں کی یکسانی میں ایک خوشگوار تنوع پیدا ہوجاتا ہے۔ اور بحر کے کڑے احتساب میں معتدبہ لچک آجاتی ہے۔

اس عمل کے پیچھے کسی بیجا نمائش، تحسین یا جدت پسندی کا جذبہ نہیں۔ روایت و درایت کے حسین و متوازن امتزاج ہی سے ادب فروغ پزیر ہوتا ہے۔ ہر اجتہاد بدعت نہیں ہوتا اگر ہر نیا پیغام الہام نہیں تو ہر نقش کہن بھی متبرک نہیں۔ اختیار و استحسان کا سلسلہ اقلیم سخن میں بھی اپنی پوری قوت سے جاری و ساری ہے۔ یہ دور بھی پرانے ادوار کی طرح اپنے براہیم کی تلاش میں ہے، وہ حنیف جو آذر شناس بھی ہو آذر شکن بھی، خاراتراش بھی ہو خاراگداز بھی، جو ذروں کو ستارہ اور ستاروں کو آفتاب بنانے کا اسم اعظم جانتا ہو، جو کتاب کونین کی تحریر کو پڑھ سکتا ہو اور رویائے تقدیر کی تعبیر جانتا ہو۔۔۔۔ ماضی کا وارث، حال کا محافظ اور مستقبل کا خالق۔

جو قدما و سلفا کی صالح اور برگزیدہ اقدار کا احترام کرے لیکن محض مقلد اور مجاور بن کر نہ رہ جائے، جو شخصیت کے سحر سے واقف اور تنقیح و تلقیح کے فوائد و حکم سے آگاہ ہو۔ جو ماضی کی گل زمینوں میں نئے خیالوں کی کاشت کرے، پرانے بیل بوٹوں کی قطع و برید کرے۔ خس و خاشاک کو چنے، پیوندکاری سے شاخ شاخ میں نئے خون کو داخل کرکے نونہالان گلستان کو بالیدگی اور خوش صفیران چمن کو ترنم خیزی کا اذن دے۔ زندگی کے تازہ بہ تازہ

زر داغ دل

صفحہ چارسو چونتیس

نوبہ نو نظریات، ترقی پسند اور ترقی پزیر رجحانات کوقبول کرے، ان کو اپنی تخلیقی انا میں جذب کرے اور تصادم و تجاذب سے اپنی انفرادی سوچ بچار میں آمیز کر کے ان کو ایک زندہ، تابندہ اور دلکشا انداز سے پیش کرے۔

اس کے لئے تعصب اور تساہل سے بلند ہو کر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اپنے علوم و فنون کا نئے سرے سے نئی بصیرتوں کی روشنی میں مطالعہ کرنا چاہیے اور اپنی روایاتی سہل انگاری اور جذباتی آسان پسندی کو چھوڑ کر ان کو اس قابل بنانا چاہیے کہ وہ زندگی کی نمو دوست، تیزرو، تغیرپسند اور پیچیدہ اقدار کا ساتھ دے سکیں۔

ان نظموں میں دوسرے شعرا کے بہت سے مصرعے اور شعر بھی تضمین ہو گئے ہیں۔ چونکہ ارباب ذوق بآسانی ان کی شناخت کرسکتے ہیں۔ اس لئے حوالہ و صراحت کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

راقم بنیادی طورپر افسانہ گو نہیں۔ ان نظموں میں جہاں تک کہانی کے عنصر کا تعلق ہے وہ مستفاد و مقتبس ہے۔ مصنف نے کہانیوں کے مرکزی خیال کو اپنے مزاج، وجدان، شعور اور ذوق کے مطابق ترتیب دیا ہے اور بیان کیا ہے۔ ان کہانیوں کے ماخذ یہ ہیں۔

سوز ناتمام — Cain: a mystery: Lord Byron

جہان نو — Masque of Pandora: Longfellow

آتش گل — احمد شوق بک

پردۂ حائل — The Cloak : Clifford Bax

رقص شرر — In a balcony : Robert Browning

فریب هستی — The Tragical History of Doctor Faustus : Christopher Marlow

بازار حیات — Michael Angelo : Longfellow

طوفان نوح — Heaven and Earth: a mystery: Lord Byron

خدنگ جستہ — Samson Agonistes : John Milton

مشت غبار — Sardanapalus : a Tragedy : Lord Byron

مصنف نے ان نظموں میں مقام و نام کی صحت پر زور نہیں دیا، کیونکہ اس کا اولین مقصد وقائع نگاری نہیں بلکہ چند ابدی حقیقتوں کی نقاب کشائی ہے۔ وہ انسان کا اس کے مختلف شؤون و مظاهر ، عوامل و عناصر، شمائل و سجایا ، مخایل و مزایا ، مقادیر و کوائف اور عصور و دهور میں مطالعہ کرتا ہے۔ دل کی شطحیات اور دماغ کی تنقیحات کا جائزہ لیتا ہے ، ذوقیات و صنمیات ، واقعیت و رومانیت، سریت و عینیت سے بحث کرتا ہے۔ امانی و آمال ، اقوال و افعال اور اعمار و آجال کے طربیہ و حزنیہ پر غور کرتا ہے اور تواریخ و سیر کے حقائق و عبر کے ادراک کی ممکن کوشش کرتا ہے۔

یہ نظمیں ناز و نیاز، اثروانفعال ، جلال و جمال، حسن و عشق ، ایمان و کفر، وصل و فصل ، حقیقت و مجاز ، انفس و آفاق ، عفاف و هوس ،

زر داغ دل

صفحہ چاپ ایسو سیٹس

سکوت و صدا، جرم و سزا، صلاح و فساد، ہزل و جزل، جذب و گریز، ترک و طلب، ردوقبول تسلیم و اجتہاد، جبرواختیار، گناہوثواب، دین و دنیا اور حیات وموت کے اسرار کو سمجھنے کی ایک ادنیٰ طالب علمانہ سعی ہے۔

مصنف اپنے متعلق کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں، خیال آفاقی و اثیری ہے۔ زبان اسیر رسوم و قیود، بیان پابند زمان و مکان، فطرت کے کرشمے بو قلموں ہیں جذبات کے جلوے گونا گوں اور قلم و قرطاس معذور و محدود۔

یہ بندۂ عاجز منعم حقیقی کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہے کہ اسے حقیقت کا عرفان، نوامیس واعیان کا شعور، مشہود و مستور کا ادراک اور فکر و عمل کی توفیق عطا ہو، تاکہ وہ معرفت نفس حاصل کر کے فلسفہ و شعر، حکمت وجنون کی کوئی قابل ذکر خدمت انجام دے سکے اور حرف تمنا کو جامۂ لفظ عطا کرسکے۔
وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم ٥

عبدالعزیز خالد

کراچی

انیس اکتوبر انیس سو چھپن

صفحہ جاں موا اثیس

زرداغ دل